مجرمانہ قدم
اشتیاق احمد
Azeed

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز 09

ناول نمبر ۵۴۳

مجرمانہ قدم

اشتیاق احمد

جُملہ حقوق بحقِ پبلشرز محفوظ ہیں

نام ناول ــــ مجرمانہ قدم

طابع ــــ اشتیاق احمد

کتابت ــــ سعید نامدار

سرورق ــــ محمد مقصود عنید

قانونی مشیر ــــ شمیم احمد ایڈووکیٹ

مطبع ــــ عظیم علیم پرنٹرز

قیمت ــــ دس روپے

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، عبداللہ بن مغفل کے ایک عزیز نے خذف کیا (چھوٹی کنکریاں شکار کو ماریں) انھوں نے اس کو منع کیا اور کہا کہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور فرمایا، نہ اس سے شکار ہوتا ہے، نہ دشمن کو صدمہ پہنچتا ہے، لیکن دانت ٹوٹ جاتا ہے یا آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔ اُس نے یہ سُن کر پھر خذف کیا۔ عبداللہ نے کہا، میں تجھ سے حدیث بیان کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور تو وہی کام کرتا ہے، اب میں کبھی تجھ سے بات نہیں کروں گا۔

سُنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

صفحہ نمبر ۱۴، حدیث نمبر ۱۰۹

(ف: معلوم ہوا کہ جو کوئی حدیث کو سُن کر یا جان کر بھی اس کے خلاف پر اصرار کرے، اس سے ترکِ ملاقات کرنا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریق ہے)

دو باتیں

السلامُ علیکم!

ہمارا مُلک بہت عجیب ہے۔ یہاں ہر کام ہی عجیب ہوتا ہے، لیکن اب مشکل یہ آ پڑی ہے کہ عجیب کے ساتھ ساتھ غریب بھی ہونے لگا ہے۔ جب تک ہر کام عجیب ہوتا رہا۔ کام کسی نہ کسی طرح چلتا رہا۔ لیکن اب جب سے عجیب کے ساتھ غریب بھی شروع ہو گیا تو یُوں لگتا ہے۔ گاڑی ٹھپ ہو جائے گی۔ ہمارے ملک پر اس وقت نگران حکومت قائم ہے۔ وزیرِ اعظم امریکہ سے منگائے گئے ہیں۔ اس لیے کہ پورے مُلک میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا کہ نگران وزیرِ اعظم بن سکے۔ اگر ہوتا تو باہر سے کیوں منگوایا جاتا۔ اب اس میں عجیب بات یہ ہے کہ وزیرِ اعظم صاحب کی بیوی

جرمن ہے۔ اور انھوں نے اپنی ایک بیٹی کی شادی ایک مرزائی سے کر رکھی ہے۔ مرزا قادیانی نے مرزائیوں کو حُکم دے رکھا ہے کہ شادی بیاہ غیر مرزائیوں سے ہرگز نہ کرو۔ وزیرِ اعظم صاحب کے داماد نے بھی اپنے جعلی نبی کا حُکم مانا ہو گا۔ یعنی اپنی شادی مسلمان گھرانے میں نہیں کی ہو گی۔ ہے نا عجیب بات۔ اور اس عجیب بات میں غریب بات یہ شامل ہو گئی کہ ایسا شخص ہمارے ملک کا نگران وزیرِ اعظم بن گیا۔ امیر بات یہ ہے کہ ہمارے مُلک میں کوئی غیر مسلم شخص وزیرِ اعظم یا صدر نہیں ہو سکتا، لیکن اس امیر بات کو بھی غریب بات بنا دیا گیا۔ یعنی اس غریب بات کو کسی نے پوچھا تک نہیں۔ بس باہر سے منگوایا اور وزارتِ عظمیٰ کی کُرسی پر بٹھا دیا۔ تاکہ ہمارے اس عجیب و غریب مُلک کو صرف اور صرف عجیب و غریب بنا دے۔ مُلک تو کسی صورت رہنے ہی نہ دے۔ آپ کی سمجھ میں بات آ گئی۔ ہم اس وقت کسی مُلک میں نہیں۔ عجیب و غریب شے میں رہ رہے ہیں۔ اور یہ شے ہمیں

کہاں لے جائے۔ یہ اللہ کو معلوم ہے۔ ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ یا اللہ۔ ان عجائب اور غرائب سے ہمیں نجات عطا فرما اور صرف اور صرف ملک رہنے کے لیے عطا فرما۔ آمین ثم آمین!

اشتیاق

نوجوان

اخبار میں شائع ہونے والی ایک خبر نے انھیں چونکا دیا۔ خبر یہ تھی:

"نواب لومی پچیس سال بعد گھر لوٹ آئے۔
بیس سال پہلے نواب لومی اپنے خان دان سمیت اچانک غائب ہو گئے تھے۔ اب بالکل اسی طرح اچانک آ گئے ہیں۔ ان کی حویلی میں اب پھر سے رونق نظر آنے لگی ہے۔"

"حیرت ہے۔ یہ گھرانا پچیس سال تک آخر کہاں رہا؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"یہ تو وہ گھرانا ہی بتا سکتا ہے۔" محمود بولا۔

"تو چلو۔ چل کر پوچھ آتے ہیں۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہیں

آنے جانے کی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ذرا سوچو — آخر یہ گھرانا بیس سال تک کہاں رہا؟"
فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اگر زیادہ ہی بے چینی محسوس کر رہی ہو — تو پھر فون کر کے پوچھ لو۔"

"ارے ہاں واقعی — یہ ٹھیک رہے گا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا ٹھیک رہے گا؟" اِنسپکٹر جمشید غسل خانے سے نکلتے ہوئے بولے۔

"کچھ ٹھیک نہیں رہے گا — پہلے ناشتا کیا جائے گا۔" بیگم جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"ناشتا — ارے ہاں! اسے تو ہم بھول ہی گئے — کہاں ہے بے چارہ۔" اِنسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"دستر خوان پر — اور کہاں ہو گا بھلا ناشتا۔" بیگم جمشید نے بھی باورچی خانے سے باہر آتے ہوئے کہا — ان کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی — باقی چیزیں وہ پہلے ہی دستر خوان پر لگا چکی تھیں۔

"ابّا جان! یہ ایک چھوٹی سی خبر اگر آپ ناشتے سے پہلے پڑھ لیں تو ہم سکون سے ناشتا کر سکیں گے۔"

"لیکن پھر یہ سکون سے ناشتا نہیں کریں گے۔" بیگم جمشید گھبرا گئیں۔

"تو آج کے دن ناشتا ہم کسی اور چیز سے کر لیتے ہیں — سکون سے تو کرتے ہی رہتے ہیں۔" اِنسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"اگر آپ نے خبر پہلے پڑھ لی تو کہیں ناشتا دھرا کا دھرا نہ رہ جائے — اور آج چونکہ چھٹی کا دن ہے، اس لیے میں نے سپیشل ناشتا تیار کیا ہے۔"

"وہ تو خوشبوؤں سے ہی ظاہر ہے — چلو بھئی آج تمھاری امّی کی بھی مان لیتے ہیں — پہلے ناشتا ہی کر لیتے ہیں۔" اِنسپکٹر جمشید بولے۔

"او کے۔" محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک ساتھ کہا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر انھوں نے خبر ان کے سامنے کر دی — خبر پڑھ کر ان کی پیشانی پر ایک دو لکیریں اُبھریں، پھر مسکراہٹ نظر آئی:

"ایسا کرو — تم وہاں ہو آؤ — بھئی پُورے گھرانے کو ساتھ لے کر کہیں چلے جانا اور پھر آ جانا کوئی جُرم تو ہے نہیں۔"

"جی بالکل! لیکن اچانک غائب ہو جانا — یہ عجیب سا

تو لگتا ہے نا۔"

"عجیب لگنے کی بھی ایک ہی کہی — لگنے کو تو کوئی چیز بھی عجیب لگ سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ان کے انداز کی نقل کی، ساتھ ہی مسکرائے بھی۔

"گویا آپ میں یہ جاننے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ یہ گھرانا اچانک کیوں غائب ہو گیا تھا۔"

"بھئی کوئی مجبوری پیش آگئی ہو گی — ہم کیوں کوئی خواہش محسوس کریں۔"

"مجھے تو اس میں کوئی گہرا چکر لگتا ہے — اور میں تو وہاں جائے بغیر رہ نہیں سکتی۔"

"تو روکا کس نے ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"گویا تم بھی جانے کے لیے بے چین ہو۔"

"نن — ہاں۔"

"یہ تم نے ہاں کہا — یا نہیں؟"

"آدھا ہاں اور آدھا نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" محمود نے اسے گھورا۔

"یہ بات اس طرح ہوئی — کہ میں آ بیل مجھے مار کے خلاف ہوں — کہیں وہاں جا کر کوئی کیس نہ پلے پڑ جائے، لیکن یہ جاننا بھی چاہتا ہوں کہ وہ کہاں غائب رہے۔"

"میرا خیال ہے — تم چلے ہی جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے مشورہ دیا

"تو پھر اجازت؟"

انھوں نے سر ہلایا — تینوں اپنی کار میں نواب بومی کی حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ہائیں! یہ اگلی کار تو انکل کی ہے۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"اور ان کے ساتھ پروفیسر انکل بھی بیٹھے ہیں۔"

"حیرت ہے — یہ کہاں جا رہے ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"شاید ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"یہ تعاقب کا کون سا طریقہ ہوا — ایک منٹ۔" محمود نے کہا اور رفتار بڑھا دی، جلد ہی وہ ان کے برابر پہنچ گیا اور چہک کر بولا:

"السلام علیکم انکلز — اگر آپ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں تو لیجیے — میں آگے ہو جاتا ہوں — تاکہ آپ آسانی سے تعاقب کر سکیں۔"

"ارے نہیں — بلکہ وعلیکم السلام۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"تو آپ تعاقب نہیں کر رہے؟"

"نہیں تو — ہم تو ذرا نواب بومی سے ملنے جا رہے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"بھئی واہ — پھر تو مزا آ گیا۔"

"یہ مزے کا ذکر یہاں کہاں سے آ گیا؟" پروفیسر داؤد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی وہ — ہم بھی۔" محمود ہکلایا۔

"سمجھ گئے — تم نے وہ خبر پڑھی ہے — اور یہ جاننے کے لیے نکلے ہو کہ پچیس سال تک یہ گھرانا غائب کیوں رہا۔"

"ہاں! یہی بات ہے انکل — اور آپ؟"

"نواب بومی سے ہمارے دوستانہ تعلقات تھے — پچیس سال پہلے جب وہ اچانک غائب ہو گئے تو ہمیں بہت حیرت ہوئی تھی — ہم نے ان کا پتا چلانے کی بھی بہت کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکے تھے — اب ہم بھی ان سے یہی پوچھنا چاہتے ہیں کہ آخر وہ کہاں غائب رہے اور کیوں؟"

"بہت خوب — خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"تو تمھیں بھی یہی تجسس وہاں لے جا رہا ہے۔"

"ہاں انکل!" محمود نے فوراً کہا۔

آخر دونوں کاریں حویلی کے سامنے جا کر رک گئیں۔

انھوں نے دیکھا، وہاں کچھ اور کاریں بھی موجود تھیں:

"معلوم ہوتا ہے — کچھ اور لوگ بھی یہ بات معلوم کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"ہاں! ظاہر ہے — ان کے سبھی دوست آئیں گے — آخر پچیس سال انھوں نے حیرت کے عالم میں گزارے ہیں۔"

دروازے پر باوردی ملازم موجود تھا — انھیں دیکھ کر بولا:

"اس طرف تشریف لے چلیے جناب — باقی سب لوگ بھی وہیں ہیں۔"

"اور نواب بومی۔"

"وہ تھوڑی دیر بعد سب کے سامنے آئیں گے — انھوں نے سوچا ہے کہ سب دوست جمع ہو جائیں، پھر ایک بار ہی وجہ بتائیں گے نا — ورنہ بار بار بتا کر تو وہ تھک جائیں گے۔"

"بات معقول ہے۔"

وہ اس طرف آ گئے — دوستوں کے لیے لان میں انتظام کیا گیا تھا — لان کے چاروں طرف کرسیاں رکھ دی گئی تھیں — ان کے درمیان میں ایک بڑی میز تھی — میز پر کھانے پینے کی چیزیں تھیں — دوست

عزیز ان چیزوں سے بھی انصاف کر رہے تھے اور باتیں
کرنے میں بھی مصروف تھے — جب یہ لوگ کرسیوں کے
نزدیک پہنچے تو ان کی طرف بہت سی نظریں اُٹھ گئیں:
"آہا پروفیسر صاحب — اور خان رحمان۔" کئی آوازیں اُبھریں۔
"اور محمود، فاروق اور فرزانہ — لیکن انسپکٹر جمشید نظر
نہیں آ رہے۔"
"صرف یہ جاننے کے لیے، ہم سب کا آنا ضروری نہیں
سمجھا انھوں نے — کہ یہ گھرانا کہاں غائب رہا ہے — ظاہر
ہے — ہم انھیں جا کر بتا ہی دیں گے۔" محمود مسکرایا۔
"اور ویسے بھی — انسپکٹر جمشید نواب بُومی کے دوست
نہیں ہیں۔"
"تب پھر — محمود، فاروق اور فرزانہ کیسے آ گئے؟" کسی
نے ہنس کر کہا۔
"خبر پڑھ کر۔" محمود نے فوراً کہا۔
عین اس وقت ان کی نظریں حویلی کے اندرونی
دروازے کی طرف اُٹھ گئیں — ایک لمبے قد کے ادھیڑ عمر
کے آدمی بڑی شان و شوکت سے چلے آ رہے تھے — ان
کے دائیں بائیں دو مُلازم قدم اُٹھا رہے تھے — ان کے
ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں — نواب صاحب ایک خوبصورت

آدمی تھے — ان کی آنکھیں بڑی بڑی اور سرمئی رنگ کی
تھیں — بال سیاہ تھے، رنگ صاف سُتھرا تھا — ناک کی
نوک اُوپر کو اُٹھی ہوئی تھی — پیشانی چوڑی تھی — اور
نوجوانی میں وہ ضرور بہت زیادہ خوب صورت رہے ہوں
گے — نزدیک آنے پر انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا:
"میری طرف سے سب دوستوں کی خدمت میں السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔" سب ایک ساتھ بولے۔
"ہم پچیس سال بعد مل رہے ہیں اور آپ سب لوگ —
ارے — یہ — یہ بچے کون ہیں؟"
"ہاں واقعی — آپ بھلا انھیں کیسے جان سکتے ہیں —
پچیس سال پہلے تو یہ اس دُنیا میں ہی نہیں تھے — لیکن
آپ نے انسپکٹر جمشید کا نام ضرور سنا ہو گا۔"
"ہاں! کیوں نہیں۔"
"یہ ان کے بچے ہیں۔"
"اوہ — بہت خوب — کیا وہ بھی ان کے ساتھ آئے
ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔
"نہیں — یہ خبر پڑھ کر آئے ہیں — انسپکٹر جمشید ان
کے ساتھ نہیں آئے۔" خان رحمان نے بتایا۔
"اوہ اچھا — ہاں! تو میں کہہ رہا تھا — آپ سب لوگ

بہت حیران ہوں گے کہ میں اپنے گھرانے کو لے کر
اچانک کہاں غائب ہو گیا تھا۔"
"ہاں بالکل! یہی جاننے کے لیے تو ہم یہاں آئے ہیں۔"
"میں جانتا ہوں — ابھی آپ سب کی حیرت دُور ہو
جائے گی — دراصل پچیس سال پہلے میرے ہاں بچے کی
پیدائش ہونے والی تھی — ایسے میں کسی نامعلوم آدمی نے
دھمکی دی تھی کہ جونہی ان کے ہاں بچہ پیدا ہو گا —
وُہ اس بچے کو اٹھا لے جائے گا — اور مار ڈالے گا —
اور جب بھی ان کے ہاں کوئی اولاد ہو گی — وُہ یہی
کرے گا — اس کے لہجے میں حد درجے پختگی تھی — وُہ
ضرور مجھ سے کوئی پُرانا انتقام لینا چاہتا تھا — لیکن مجھے
ایسا کوئی آدمی یاد نہیں آ رہا تھا — جسے میں نے کسی
وجہ سے اپنا دشمن بنا لیا ہو گا — پہلے تو میں نے خوب
ذہن پر زور دیا — کہ کوئی ایسا آدمی یاد آ جائے — جو
مجھ سے کوئی دشمنی رکھتا ہو — لیکن ایسا کوئی آدمی ذہن
میں نہ آ سکا — اور پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اچانک
یہاں سے غائب ہو جاؤں — چنانچہ ایک رات میں اپنے
سارے گھرانے کو لے کر نکل گیا — اور دُور دراز ایک مقام
پر جا کر زندگی کے دن گزارنے لگا — وہیں میرے ہاں

بچہ پیدا ہوا — اب وُہ ماشاءاللہ پچیس سال کا جوان
آدمی ہے — اس کے بعد میرے ہاں کوئی اور اولاد بھی نہیں
ہوئی — اب وہی ہمارا سب کچھ ہے — ٹھہریے — میں اس
سے بھی آپ کو ملواتا ہوں۔" یہ کہہ کر وُہ دائیں طرف والے
ملازم سے بولے:
"شاہزادے کو لے آؤ۔"
"یس سر۔" تلوار والے ملازم نے سر جھکا کر کہا اور چلا گیا۔
"تو یہ ننگی تلوار والے ملازم آپ اسی لیے ساتھ رکھتے
ہیں — کہ کہیں وُہ دشمن اب تک زندہ نہ ہو اور آپ پر
حملہ نہ کر دے۔" محمود نے سوال کیا۔
"نہیں — تلوار ہمارا خاندانی نشان ہے — ہمارا تعلق
ایک جنگ جو گھرانے سے ہے — جو اپنے وقت کے حکمرانوں کی
فوج میں سپہ سالار ہوتے تھے۔"
"اوہ اچھا — لیکن اب آپ کو اپنے دشمن سے خوف کیوں
محسوس نہیں ہوتا؟"
"اب بیٹا پچیس سال کا ہو گیا ہے — کڑیل جوان ہے —
جوڈو کراٹے، تیر اندازی، نیزے بازی اور شوٹنگ کا ماہر ہے۔
اپنے دشمنوں کو خاطر میں نہیں لاتا — سچ تو یہ ہے کہ وہی
ہمیں یہاں لایا ہے — ورنہ ہم تو یہاں واپس آنے کا

ارادہ ہی نہیں رکھتے تھے — لیکن شاہزادہ اپنی حویلی کو
دیکھنا چاہتا تھا اور اس شہر میں رہنا چاہتا تھا — وہ
اجاڑ سی جگہ اسے پسند نہیں تھی — نامعلوم دشمن کی
کہانی جب میں نے اسے سنائی تو وہ اس کہانی کو
بھی خاطر میں نہ لایا — اور اس نے بے دھڑک کہا —
ہمیں اس سے ڈرنا نہیں چاہیے — اور پھر پچیس سال
گزر چکے ہیں — وہ شاید مر کھپ گیا ہوگا۔"

"لیکن — آپ نے اس وقت پولیس کی مدد کیوں
نہ لی — پولیس اس نامعلوم دشمن کا سراغ لگاتی اور
اسے گرفتار کرتی۔"

"میرے خیال میں پولیس ایسا نہیں کر سکتی تھی —
صرف ایک فون کے جواب میں کوئی کس طرح نامعلوم
دشمن کا پتا چلا سکتا تھا۔"

"یہ کیا مشکل ہے — ہم تو آج بھی آپ کو اس کا
سراغ لگا کر دے سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" نواب صاحب اچھل پڑے — ان کی
آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"جی ہاں! اگر آپ پسند کریں تو ہم آج بھی آپ کے
اس دشمن کا سراغ لگا کر آپ کو بتا سکتے ہیں۔"

"میرے لیے اس سے بڑھ کر حیرت کی بات اور
کیا ہو گی — کہ پچیس سال پہلے جس نامعلوم آدمی نے
مجھے دھمکی دی تھی — آپ لوگ اس کا سراغ آج بھی
لگا سکتے ہیں۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا — آپ یہ خدمت ہمارے ذمے
لگا دیں — اور پھر دیکھیے ہوتا ہے کیا۔"

"تب پھر ایک دعویٰ میرا بھی سن لیں۔" نواب بوی
نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"آپ اس کا سراغ نہیں لگا سکیں گے، کیونکہ بات
پچیس سال پرانی ہے۔"

"پچاس سال بھی پرانی ہو تو پروا نہیں۔" فرزانہ نے
مسکرا کر کہا۔

"خیر خیر — آپ یہ کام ضرور کریں — اگر آپ اس کا
سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ آپ
کی بہت بڑی جیت ہو گی — اور آپ لوگوں کی اس
جیت کا اعلان میں خود کروں گا۔"

"ہمیں جیت یا ہار سے کوئی غرض نہیں — ہم آپ کا
کام کرنا چاہتے ہیں — اور کام کر کے آپ کو دکھائیں

گے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

عین اس وقت اندرونی دروازہ کھلا اور ایک تلوار والے ملازم کے ساتھ ایک خوب صُورت ترین نوجوان آتا دکھائی دیا۔

اُن کی نظریں اس نوجوان پر جم کر رہ گئیں۔

اندازہ

"اُف مالک — شاہزادہ کس قدر خوبصورت ہے — ہم اپنے بھتیجے کو آج پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔" ایک دوست نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"گہری نیلی آنکھیں — سنہری بال — لمبا قد — سڈول جسم، سُرخ و سفید رنگ — چوڑی پیشانی — بالکل نواب صاحب جیسی۔" ایک دُوسرے دوست نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"واقعی شاہزادہ خوب صورتی کا نمونہ ہے، بلکہ ایک شاہکار ہے۔"

"پچیس سال تک میں نے اسے دُوسروں کی نظروں سے بچا کر رکھا ہے — اس خوف سے کہ کہیں ان میں وُہ دشمن موجود نہ ہو۔" نواب صاحب بولے۔

"اب آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں — میں اپنے دشمن کو خود دیکھ لوں گا۔" شاہزادے کی آواز سب کو

سُنائی دی — اور انھیں عجیب سا احساس ہوا — آواز کافی حد تک بھدی سی تھی۔

"بلکہ اب تو محمود، فارُوق اور فرزانہ اس دشمن کو پکڑنے کی ٹھان چکے ہیں۔"

"محمود، فارُوق اور فرزانہ — یہ کون صاحبان ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید کے بچے — لیکن تم کیا جانو — انسپکٹر جمشید کون ہیں۔" یہ کہ کر نواب صاحب اسے انسپکٹر جمشید کے بارے میں بتانے لگے، پھر انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے بھی تعارف کرایا۔

"آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" شاہزادے نے کہا اور آگے بڑھ گیا — اس کے والد سب سے باری باری اس کا تعارف کروا رہے تھے۔

ایک گھنٹے بعد سب لوگ رُخصت ہو گئے — صِرف وہ لوگ رہ گئے۔

"کیا تم لوگ ابھی یہاں ٹھہرو گے؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"ہاں انکل! آپ دونوں اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔" محمود بولا۔

"اگر نواب صاحب محسوس نہ کریں تو ہم بھی تمھارے ساتھ رہ کر تمھاری سُراغ رسانی سے لُطف اندوز ہونا

چاہتے ہیں۔"

"کیا مطلب — سُراغ رسانی سے بھی لُطف اندوز ہوا جا سکتا ہے؟" نواب صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کو دراصل ان کے طریقے کا پتا نہیں۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"آپ شوق سے ان کے ساتھ یہاں رہ سکتے ہیں، بلکہ اب تو میں بھی ان کے طریقے دیکھ کر لطف اٹھانے کی کوشش کروں گا۔"

"ضرور جناب — کیوں نہیں۔"

"میں تو پھر اندر چلا ڈیڈ۔" شاہزادے نے کہا۔

"ضرور بیٹے — کیوں نہیں۔" نواب صاحب مسکرائے۔

اور شاہزادہ اندر چلا گیا۔

"نواب صاحب — ہم آپ سے ایک بات فرض کروانا چاہتے ہیں — امید ہے، آپ بُرا نہیں مانیں گے۔"

"کیا مطلب — فرض کروانا چاہتے ہیں۔" نواب صاحب حیران رہ گئے۔

"ہاں! فرض کریں — نامعلوم دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔"

"ارے باپ رے — اس قدر خوفناک بات فرض نہ

کروائیں۔" وُہ گھبرا گئے۔
"فرض کرنے میں کوئی حرج نہیں — آپ پریشان نہ
ہوں اور یہ بتائیں — اس صورت میں کیا کسی کو کوئی
فائدہ پہنچ سکتا تھا؟"
"اوہ فائدہ — اگر میرا یہ بیٹا مجرم کے ہاتھ لگ جاتا۔
اور وُہ اسے مار ڈالتا اور میرے ہاں کوئی اور اولاد بھی
نہ ہوتی تو میری ساری جائداد کا وارث میرا بھانجا بنتا۔
میری بہن کا بیٹا۔"
"کیا اس وقت وُہ پیدا ہو چکا تھا؟"
"ہاں! پانچ سال کا تھا۔"
"تب وُہ نا معلوم شخص اس کا باپ ہو گا۔" محمود
نے کہا۔
"آپ کا مطلب ہے — دھمکی دینے والا میری بہن
کا خاوند تھا — ایسا تو میں ایک منٹ کے لیے بھی
نہیں سوچ سکتا۔"
"کیوں — ایک منٹ کے لیے سوچنا کیا مشکل ہے — بس
سوچ لیجیے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔
"آپ کا اس وقت کوئی دشمن نہیں تھا — آپ کے
بیٹے کو ہلاک کر کے آپ کی بہن کے خاوند کے علاوہ

کسی کو کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا، کیونکہ آپ
کے کوئی بھائی نہیں ہیں — ان حالات میں صرف اور
صرف آپ کی بہن کے خاوند ہی یہ کام کر سکتے تھے۔"
"تب پھر — انھوں نے یہ کام خاموشی سے کیوں
نہ کیا — فون کر کے مجھے خبردار کرنے کی کیا ضرورت
تھی۔" نواب صاحب نے کہا۔
"تاکہ آپ یہ خیال کریں کہ یہ کسی نا معلوم دشمن کی
کی حرکت ہے — اور آپ کے بہنوئی کی طرف آپ کا دھیان
تک نہ جائے۔"
"پھر بھی یہ بات میرے حلق سے نہیں اُترتی۔"
"اچھا یہ بتائیں — پچیس سال تک یہ حویلی بند پڑی
رہی یا کسی کے استعمال میں رہی؟"
"بہنوئی اور بہن کے ہی استعمال میں رہی — ان دنوں
وہ کرائے کے مکان میں رہتے تھے — جانے سے پہلے
میں نے ایک خط لکھ کر لیٹر بکس میں ڈال دیا تھا —
جو ہمارے جانے کے ایک یا دو دن بعد انھیں مل
گیا تھا — اور وُہ پچیس سال تک یہاں رہتے رہے
ہیں — ابھی ہمارے آنے سے چند دن پہلے انھوں نے
حویلی خالی کی ہے، کیونکہ میں نے انھیں خط لکھ دیا تھا

کہ ہم آ رہے ہیں۔"

"لیکن آپ کو اتنا عرصہ باہر رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ آٹھ دس سال بعد بھی تو آ سکتے تھے؟" فرزانہ نے کہا۔

"جب تک شاہزادہ خوب طاقت ور نہیں ہو گیا۔ اُس وقت تک میں نے یہاں آنے کی ہمت نہیں کی، بلکہ میں تو اب بھی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ یہ ہمت تو شاہزادے نے دلائی مجھے۔"

"ہوں۔ خیر۔ آپ اپنے بہنوئی کا نام اور پتا بتا دیں۔"

"گویا اب آپ ان سے اپنی تفتیش شروع کریں گے۔"

"آپ کی اجازت سے۔ اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ پچیس سال پہلے آپ کو کس نے فون پر دھمکی دی تھی۔ تو آپ کو ہمیں اجازت دینا ہو گی۔"

"نہیں! میں اب اس گڑے مُردے کو اکھیڑنا نہیں چاہتا۔" نواب صاحب بولے۔

"آپ کی مرضی۔ اس صورت میں ہم اپنے گھر چلے جاتے ہیں، لیکن یہ سوچ لیں۔ وہ دشمن کسی وقت بھی وار کر سکتا ہے۔ آج بھی وہ وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، جو پچیس سال پہلے اٹھا سکتا تھا۔"

"نن۔ نہیں۔" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"کیا آپ کو اپنے بیٹے کی زندگی عزیز نہیں ہے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے اور اپنے بیٹے کی زندگی عزیز نہیں ہو گی۔ اس کی حفاظت کے لیے تو میں یہ شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

"ارے ہاں! آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ نے یہ پچیس سال کہاں گزارے؟"

"مناواں شہر کے ایک دیہات راون بالا میں۔"

محمود نے یہ دونوں نام نوٹ کر لیے، پھر اس نے کہا:

"اب آپ کیا کہتے ہیں۔ تفتیش کریں یا نہیں؟"

"نہیں! اب میں ضرورت نہیں سمجھتا۔"

"آپ کی مرضی۔ آپ کے بہنوئی کا نام اور پتا کیا ہے؟"

"جب میں آپ کو تفتیش کی اجازت ہی نہیں دے رہا تو آپ ان کا نام پتا کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"یہ سوچ کر کہ شاید آپ کا پروگرام بن جائے۔"

"نہیں بنے گا۔ ویسے آپ بے شک بہنوئی کا نام پتا لکھ لیں۔ ان کا نام راتے کورا ہے۔ ۹۰۷ ماڈرن کالونی میں رہتے ہیں۔"

"شکریہ نواب صاحب۔" محمود نے یہ بھی نوٹ کر لیا۔

اس کے بعد وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ باہر نکلتے

ہوئے خان رحمان بولے :

" اس کا مطلب ہے ۔ تم لوگوں کو کیس ملتے ملتے رہ گیا۔"

" نہیں انکل ۔ کیس کو ہم ملتے ملتے رہ گئے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد مسکرا دیے ، پھر پروفیسر داؤد بولے :

" بھئی تم اپنے طور پر تفتیش شروع کر دو ۔ اگر اس نامعلوم آدمی کا پتا چل جائے تو کیا بُرا ہے۔"

" ہم ابا جان سے مشورہ کریں گے۔"

" تو پھر چلو ۔ ہم بھی اس مشورے میں شرکت کر لیتے ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

وُہ سب گھر میں داخل ہوئے ۔ انسپکٹر جمشید نے ایک نظر ان پر ڈالتے ہی کہا:

" کوئی مطالبہ منوانے کا پروگرام ہے کیا ۔ میں اِن دنوں سیر کے لیے شہر سے باہر جانے کا مطالبہ ہرگز نہیں مانوں گا ۔ کیونکہ شہر میں بہت سی الجھنیں موجود ہیں ۔ اسلام دشمن طاقتیں سازشوں پر سازشیں کر رہی ہیں ۔ ان پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔"

" ایسی کوئی بات نہیں ابا جان ۔ معاملہ صرف نواب بُومی

کہا ہے۔"

" ہاں ! انھوں نے کیا بتایا؟"

انھیں ساری تفصیل سنائی گئی ۔ سُن کر وُہ سوچ میں ڈوب گئے ، پھر بولے :

" انھیں تم لوگوں کو اجازت دے دینی چاہیے تھی ۔ خیر کوئی بات نہیں ۔ وُہ اجازت دیں گے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے فون کا ریسیور اٹھایا ۔ خان رحمان سے نواب بومی کے نمبر معلوم کیے اور ڈائل کرنے کے بعد جُونہی سلسلہ ملا ۔ وہ بدلی ہوئی آواز میں بولے ۔ ساتھ ہی انھوں نے سیٹ کا بٹن دبا دیا ۔ اب آواز سب سُن سکتے تھے :

" ہیلو نواب صاحب ۔ آپ کا خادم بات کر رہا ہوں۔"

" کیا مطلب ۔ کون ہو تم ؟" دوسری طرف سے نواب بُومی نے جھلّا کر کہا۔

" وُہی خادم جس نے پچیس سال پہلے آپ کو فون پر دھمکی دی تھی۔"

" اوہ !" نواب صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

" میں آج بھی زندہ ہوں اور آپ سے دشمنی چکانے کے لیے بالکل تیار ۔ آپ کیا سمجھتے تھے ۔ پچیس سال بعد ۔

میں مرکھپ گیا ہوں گا اور اب آپ کو میری طرف
سے کوئی خطرہ نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ اب آپ
تک غائب بھی نہیں ہو سکیں گے۔ پچیس سال پہلے تو
یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نواب صاحب بزدلوں
کی طرح شہر سے ہی چلے جائیں گے۔ ورنہ اس وقت
بھی میں تعاقب کر کے یہ پتا چلا لیتا کہ نواب صاحب کہاں
گئے ہیں۔ خیر۔ اب آپ کی واپسی ہو گئی ہے۔ اپنے
بیٹے کی جس قدر جی چاہے حفاظت کر لیں، لیکن وہ میرے
ہاتھ سے بچ نہیں سکے گا۔"

"نن۔ نہیں۔" نواب صاحب چلّائے۔

"اب نہیں کہیں یا ہاں۔ ہونی تو ہو کر رہے گی۔
اچھا بس۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"آپ نے تو اس بے چارے کی جان ہی نکال
دی۔" فاروق بولا۔

"ایسا نہ کرتا تو وہ تمھیں تفتیش کے لیے کبھی نہ بلاتا۔
اب سو فی صد اُمید ہے۔ اس کا فون بہت جلد آئے
گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ کے اندازوں کے تو خیر ہم قائل ہیں۔ آپ

اندازوں کے دھنی ہیں۔ بہت مُشکل سے آپ کا کوئی
اندازہ غلط ہوتا ہے، ورنہ عام طور پر اندازے سو فیصد
درست ثابت ہوتے ہیں۔"

"اب اتنی بھی تعریف نہ کرو۔ کہیں یہ اندازہ
دھرا کا دھرا نہ رہ جائے۔"

"اس بے چارے کے تو اُڑ گئے ہوں گے ہوش۔
اور وہ سوچ رہا ہو گا۔ اس نے ہم لوگوں کو واپس
بھیج کر بڑی غلطی کی۔ لہٰذا اب ضرور اس کا فون آنے
والا ہو گا۔"

"گویا اب ہمیں نواب کوی کے فون کا انتظار کرنا ہو
گا۔" فاروق بولا۔

"میں تو کہتا ہوں، اس کی ضرورت نہیں۔ یہ اپنے
طور پر بھی تو اس کیس پر کام کر سکتے ہیں۔" پروفیسر
داؤد نے کہا۔

"اور میں کہتی ہوں۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے،
جب وہ نہیں چاہتے کہ اس معاملے میں کوئی تفتیش کی
جائے تو آپ کیوں ٹانگ اڑانا چاہتے ہیں۔"

"اس لیے کہ اس ساری کہانی میں۔ کہیں نہ کہیں۔
کوئی گھماؤ پھراؤ ضرور ہے۔ اور وہ کیا ہے۔ ہم یہ جانے

بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"میں بتاؤں آپ کو؟" بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اوہو — تو اب تم بھی جاسوسی میں قدم رکھ رہی ہو؟"

"جی ہاں! آپ کو دیکھ دیکھ کر — تھوڑی بہت جاسوسی مجھے بھی آ گئی ہے — نواب صاحب کے بہنوئی کرائے کے مکان میں رہتے تھے — ان کے ایک فون پر نواب صاحب شہر چھوڑ کر چلے گئے اور بہنوئی صاحب کو پچیس سال کے لیے مفت کا مکان مل گیا۔"

"لیکن بھئی — اسے کیا معلوم تھا — کہ نواب صاحب شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے — اور اتنے عرصے کے لیے چلے جائیں گے — نہیں — یہ بات حلق سے نہیں اُترتی۔" اِنسپکٹر جمشید بولے۔

"چلیے، اگر حلق سے نہیں اُترتی تو جانے دیں۔" بیگم جمشید نے منہ بنایا۔

"میں بھی نواب صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" اِنسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو پھر چلو — ملوا لاتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"پہلے فون کا انتظار تو کر لیں۔"

"ہاں واقعی — فون کو تو ہم بھول ہی گئے۔"

اُنھوں نے فون کا اِنتظار شُروع کر دیا اور پھر اُن کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا — دو گھنٹے گزرنے پر بھی نواب صاحب کا فون نہیں آیا تھا —

"مُجھے تو خطرے کی بُو آ رہی ہے — کہیں اُن پر حملہ نہ ہو گیا ہو۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اچھل کر کھڑے ہو گئے —

دھمکی

وہ افراتفری کے عالم میں نواب بُومی کی حویلی پہنچے —
لیکن وہاں ہر طرح خیریت نظر آئی — ان کا پیغام ملنے پر
نواب صاحب خود باہر آگئے اور حیرت بھری نظروں سے
انھیں دیکھا:

"خیریت تو ہے؟"

"ہمارا خیال تھا ، شاید حویلی میں کوئی گڑبڑ ہوئی
ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"نن — نہیں تو — یہاں تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی —
آپ انسپکٹر جمشید ہیں؟"

"جی ہاں ! یہ حضرات یہاں سے واپس پہنچے تو آپ
کے غائب ہو جانے کی کہانی سُنی — اس وقت میں نے
محسوس کیا کہ جس شخص نے پچیس سال پہلے آپ کو
دھمکی دی تھی ، اگر وہ ابھی زندہ ہے — تو وہ اب بھی

تو کوئی دھمکی دے سکتا ہے — یا کوئی مجرمانہ قدم
اُٹھا سکتا ہے"۔

"اوہ — تو آپ اس خیال سے آئے ہیں"۔ وہ مسکرائے۔

"جی ہاں"! خان رحمان نے فوراً کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ"۔

"تو آپ کو اس شخص کی طرف سے کوئی دھمکی تو نہیں
ملی نا — فون پر یا کسی اور ذریعے سے؟"

"جی — جی نہیں"۔ انھوں نے فوراً کہا۔

اور وہ دھک سے رہ گئے — نواب صاحب اس قدر
سفید جھوٹ بول دیں گے — انھوں نے سوچا بھی نہیں تھا:

"اگر اس کی طرف سے کوئی دھمکی ملے — تو آپ ہمیں
ضرور بتا دیجیے گا ، پھر ہم اسے دیکھ لیں گے"۔

"اب میں اسے خود بھی دیکھ سکتا ہوں — میرا بیٹا
اب جوان ہو چکا ہے — اس کی طرف سے میں صرف
اس وقت تک خوف زدہ رہا ، جب تک کہ بیٹا بڑا نہ
ہو گیا — اور اب تو بیٹا یوں بھی جوڈو کراٹے اور
مارشل آرٹ کا ماہر ہے"۔

"یہ جان کر خوشی ہوئی — کہ اب آپ خوف زدہ
نہیں ہیں — پھر بھی اگر اس کی طرف سے دھمکی ملے ،

آپ ہمیں خبر ضرور کر دیں۔"

" اچھی بات ہے ۔ آپ کے مشورے پر عمل کروں گا۔ اگرچہ اس کی قطعاً ضرورت نہیں سمجھتا ۔ آپ تشریف رکھیے ، میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہ کر وہ چلے گئے۔

" کمال ہے ۔ یا تو یہ اس کی دھمکی سُن کر شہر چھوڑ گئے تھے ۔ اور یا پھر اس قدر دلیر ہو گئے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

" شاید اس لیے انکل ۔ کہ انھیں اپنے بیٹے پر بہت مان ہے۔"

" پھر بھی انھیں جھوٹ بولنے کی ضرورت تو نہیں تھی ۔ کہ سکتے تھے کہ ہاں اس قسم کا ایک فون تو ملا ہے ، لیکن میں اس کی پروا نہیں کرتا۔"

" ہاں ! یہ بات زیادہ بہتر ہوتی ۔ خیر اب اس میں ہم کیا کہ سکتے ہیں۔"

اسی وقت قدموں کی آہٹ سنائی دی اور نواب بومی اندر داخل ہوئے ۔ ان کے پیچھے ملازم داخل ہوا ۔ وہ چائے وغیرہ کی ٹرالی دھکیل کر اندر آ رہا تھا ۔ وہ کافی عمر رسیدہ تھا ، لیکن اس کے چہرے پر وفاداری کی جھلک بالکل صاف نظر آ رہی تھی ۔

" معلوم ہوتا ہے ۔ بہت پرانے ملازم ہیں آپ کے۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

" جی ہاں ! چالیس سال ہو گئے انھیں ہمارے ساتھ ۔ پہلے ان کے والد ملازم تھے ۔ وہ فوت ہو گئے تو انھوں نے اُن کی جگہ لے لی۔"

" گویا آپ جو پچیس سال غائب رہے ہیں تو اس دوران بھی یہ آپ کے ساتھ رہے ہیں؟"

" جی ہاں ! بالکل۔"

" کیا آپ کے بیٹے سے ملاقات نہیں ہو سکتی ۔ میں بھی اس خوش نصیب بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں ۔ جس کی وجہ سے آپ کو پچیس سال یہاں سے غائب رہنا پڑا۔"

" ضرور ۔ کیوں نہیں ۔ بابا عاقل ۔ ذرا شاہزادے کو بھیج دینا۔"

" جی بہتر !"

اور پھر وہ کمرے سے نکل گیا ۔ وہ چائے پینے لگے ۔ اگرچہ یہ بات ان کے اصول کے خلاف تھی ، لیکن اس وقت انھیں پینا پڑ گئی تھی۔

جلد ہی نوجوان شاہزادہ اندر داخل ہوا۔

" ان سے ملو شاہزادے ۔ یہ انسپکٹر جمشید ہیں ۔

ہمارے مُلک کے مشہور و معروف سُراغ رساں۔ انھوں نے اپنے دین، قوم اور مُلک کے لیے بے شمار کارنامے انجام دیے ہیں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی انکل"۔ شاہزادے نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! میں بھی عجیب سی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ آپ وُہ نوجوان ہیں۔ جن کے لیے آپ کے پُورے گھرانے کو پچیس سال تک اپنے گھر سے دُور رہنا پڑا۔"

"اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ لیکن میرا کیا قصور انکل؟" شاہزادہ بولا۔

"نہیں، قصور تو خیر آپ کا بالکل نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"میں چلا ڈیڈ۔ میرے کچھ دوست آئے ہوئے ہیں ملنے کے لیے۔"

"دوست۔ آپ کے یہاں دوست کیسے ہو سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"ڈیڈی کے دوستوں کے بیٹے۔" وہ مسکرایا۔

"اوہ ہاں۔ واقعی۔"

شاہزادہ کمرے سے نکل گیا۔ وُہ بھی تھوڑی دیر بعد ہی ان سے اجازت لے کر رُخصت ہوئے۔

"نواب صاحب کو جھوٹ بولنے کی قطعاً کوئی ضرورت تو نہیں تھی۔" پروفیسر داؤد نے خیال ظاہر کیا۔

"شاید انھوں نے سوچا ہو گا کہ اس طرح ہم تفتیش شروع کر دیں گے اور وہ اس چکر میں پڑنا نہیں چاہتے ہوں گے۔" خان رحمان بولے۔

"کچھ بھی ہو۔ اب میں اس شخص تک پہنچنا چاہتا ہوں، جس نے انھیں دھمکی دی تھی۔ اس تک پہنچ کر میں اس سے اس دھمکی کی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر جمشید۔ اس سلسلے میں تم پہلا قدم کیا اُٹھانا چاہتے ہو؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"معلوم ہوتا ہے۔ آپ بھی اس مہم میں ساتھ دینے کے لیے بے چین ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا۔

"ہم تو ہمیشہ ہی تمھارا ساتھ دینے پر تُلے رہتے ہیں۔"

"تب پھر پہلے ہمیں رائے کودا سے ملنا ہو گا۔ نواب صاحب کے بہنوئی سے۔"

وُہ ماڈرن کالونی پہنچے۔ ۹۰، نمبر تلاش کرنے میں

انھیں کوئی دقت نہ ہوئی — کوٹھی بہت بڑی اور شاندار
تھی — دستک کے جواب میں ملازم نے دروازہ کھولا اور مُلاقات
کی خواہش کا سُن کر انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔

دو منٹ بعد لمبے قد کا ایک دُبلا پتلا ادھیڑ عُمر آدمی
اندر داخل ہوا — اس کے چہرے پر ایک شریر سی مسکراہٹ
ناچ رہی تھی۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"کیا یہ صاحب مہمانوں میں شامل تھے؟" انسپکٹر جمشید
نے جیسے اس کا جُملہ سُنا ہی نہیں۔

"ہاں! میرا خیال ہے کہ تھے۔" خان رحمان بولے۔

"کیا آپ نواب بھائی کی دعوت کی بات کر رہے ہیں،
ان کے گھر میں دعوت ہو اور ہم وہاں نہ ہوں، یہ تو
ہو ہی نہیں سکتا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اس آدمی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ جس نے
پچیس سال پہلے نواب صاحب کو دھمکی دی تھی کہ ان کے
ہاں جو بچہ پیدا ہوگا — وہ اسے قتل کر دے گا۔"

"بھلا میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"جانے سے پہلے انھوں نے آپ کو بتایا تھا۔ کہ وہ
یہ شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"توبہ کریں جی — انھوں نے تو کسی کو کانوں کان خبر
نہیں ہونے دی تھی — ہمیں بھی ان کے غائب ہو جانے
کے بعد ہی پتا چلا تھا۔"

"اس دوران انھوں نے آپ سے بھی کوئی رابطہ قائم
نہیں کیا تھا؟"

"بالکل نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"تب پھر — اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انھیں
آپ پر بھی شک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"نواب صاحب نے خیال کیا ہو گا — کہیں آپ ہی
وہ آدمی نہ ہوں — یعنی دھمکی دینے والے — لہٰذا انھوں
نے آپ کو بھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔"

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں — انھیں مجھ پر ذرا بھی شک
نہیں تھا — لیکن اس جگہ کی رہائش کے بارے میں وہ سب
کو لاعلم ہی رکھنا چاہتے تھے۔"

"اچھا آپ کام کیا کرتے ہیں۔"

"جُوتوں کے ایک کارخانے کا مالک ہوں۔"

"اوہو — اب یاد آیا — کورا لفظ کیوں اتنا سُنا ہوا محسوس
ہو رہا تھا — جس طرح باٹا کے جُوتے مشہور ہیں، اسی طرح

کورا کے جوتے بھی کم مشہور نہیں ہیں"۔

"آپ بالکل ٹھیک سمجھے"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"پچیس سال پہلے جس شخص نے فون پر نواب لومی کو دھمکی دی — وہ کہیں آپ تو نہیں تھے؟"

"بھلا میں کیوں دھمکی دیتا — پچیس سال پہلے بھی میری جوتوں کی فیکٹری بہت مشہور تھی اور آج بھی میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں"۔

"دولت کی کسی کے پاس بے شک کمی نہ ہو، لیکن پھر بھی مزید دولت کا لالچ موجود رہتا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"میں ان لوگوں میں سے نہیں"۔ اس نے منہ بنایا۔

"آپ کوئی خیال بھی ظاہر نہیں کر سکتے — کہ انھیں دھمکی کون دے سکتا تھا"۔

"اس بات پر تو میں اب تک حیران ہوں اور اگر دھمکی دینے والے کا پتا چل جاتا تو میں تو پی جاتا اُس کا خون"۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

وہ باہر نکل آئے —

"کیس کافی دلچسپ ہے — اس آدمی کا پتا لگانا ہی پڑے گا جس نے دھمکی دی تھی — یہ کام میں کروں گا یہاں اور تم ایک دوسرا کام کرو گے"۔

"دوسرا کام — کون سا دوسرا کام؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"دوسرے کام کا سن کر تمھاری جان کیوں نکل گئی"۔ محمود نے مسکرا کر کہا۔

"جان نکلے ہمارے دشمنوں کی — میں تو خوش ہو رہا ہوں"۔

"تم تینوں راون بالا جاؤ گے — اور ان کی پچیس سالہ زندگی کے بارے میں چھان بین کرو گے"۔

"او کے ابا جان — یہ کیا مشکل کام ہے"۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے جمشید — دھمکی دینے والا تو یہیں رہتا ہے"۔

"ہو سکتا ہے — دھمکی دینے والا ان کے پیچھے وہاں جا کر بھی کامیاب ہو گیا ہو — لیکن پھر اس نے شاہزادے کو ہلاک کرنے کی بجائے — ان سے کوئی سودا طے کر لیا ہو — اسی لیے اب دھمکی دینے والے کی انھیں پروا نہ رہ گئی ہو"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، ہمیں وہاں جانا ہی ہو گا"۔

"تب پھر ہم بھی تمھارے ساتھ چلیں گے"۔ خان رحمان نے کہا —

"اس سے بڑھ کر ہمارے لیے خوشی کی بات اور کیا ہو گی"۔

"ارے ہاں — ہمیں رائے کورا کی نگرانی بھی کرانا ہو گی،

یہ آدمی بھی کچھ کم پُراسرار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے، یہ سارا
چکر اسی کا چلایا ہوا ہو۔"

"ہاں! پچیس سال تک مُفت میں اس حویلی میں رہتا رہا ہے۔"

اِنسپکٹر جمشید نے اُسی وقت اکرام کے نمبر ملائے اور پھر
اسے ہدایات دے کر ریسیور رکھ دیا۔ جُونہی وُہ گھر پہنچے۔
ان کے فون کی گھنٹی بجی۔ دُوسری طرف سے اکرام کی
گھبرائی ہوئی آواز سُنائی دی:

"سر۔ رائے کورا کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"کیا!!!" وُہ دھک سے رہ گئے۔

ڈرانے والے

"لو بھئی۔ آخر کیس شروع ہو گیا۔ رائے کورا کو کسی نے
قتل کر دیا ہے۔"

"ارے باپ رے، یہ کیس تو کچھ زیادہ ہی تیزی سے
شروع ہو گیا، اس قدر تیزی سے تو اس کے شروع
ہونے کی ایک فی صد بھی اُمید نہیں تھی۔"

"اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رائے کورا دھمکی دینے
والے کو جانتا تھا۔ اس نے اس خوف سے اسے ہلاک کر
دیا کہ کہیں وُہ ہمیں یہ راز نہ بتا دے۔"

"لیکن اس طرح کیا ہوتا۔ قتل سے بڑا جُرم تو نہیں
کیا تھا اس نے۔ اسے تھوڑی بہت سزا ملتی اور بس۔
اب وُہ قاتل بن گیا ہے۔ ایک شخص کو دھمکی دی، اسے
پچیس سال تک کے لیے اپنے گھر سے محروم کیا۔ اور اب
قاتل بن گیا۔ آؤ۔ پہلے اس لاش کا معائنہ کریں۔"

وہ ایک بار پھر رائے کورا کی کوٹھی پہنچے۔ کوٹھی سے
رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ انھیں لاش تک لے
جایا گیا۔ ابھی چونکہ پولیس نے لاش کو نہیں دیکھا تھا۔
اس لیے وہ جوں کی توں پڑی تھی۔

رائے کورا کی کمر میں خنجر دستے تک دھنسا ہوا تھا
اور وہ اوندھے منہ پڑا تھا۔ خون بہ کر کمرے کے
دروازے تک چلا گیا تھا۔ یہ اس کا اپنا کمرہ تھا۔
خنجر کے علاوہ انھیں وہاں ایک رومال پڑا نظر آیا۔
جس کا ایک حصّہ خون آلود ہو چکا تھا، رومال زرد رنگ
کا تھا۔ رومال سے تھوڑے فاصلے پر ایک نقلی پھول
پڑا تھا۔ خون اس پھول تک نہیں پہنچا تھا۔ یہ گلاب
کا زرد رنگ کا پھول تھا۔

"زرد گلاب، زرد پھول اور خنجر کا دستہ بھی زرد رنگ
کا۔ معلوم ہوتا ہے، قاتل کو زرد رنگ بہت پسند ہے۔"
انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز ابھری اور سب انسپکٹر اکرام
اندر داخل ہوا، غالباً انھیں اطلاع دینے کے بعد وہ بھی
ادھر کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے
ماتحت اور دوسرے ماہرین بھی تھے۔

"مجھے امید تو نہیں اکرام کہ اس خنجر پر سے انگلیوں کے
نشانات ملیں۔ پھر بھی اٹھواؤ ضرور۔ اس رومال اور
گلاب کے پھول کو بھی محفوظ کر لو۔ پھول قاتل کے
کالر میں لگا ہوا تھا اور رومال یا تو اس کے ہاتھ میں
تھا۔ یا جیب سے گرا ہو گا۔ ہو سکتا ہے۔ گھبراہٹ
کے عالم میں اس نے پسینہ پونچھنے کے لیے رومال جیب
سے نکالا ہو۔"

"یس سر۔ لیکن سر۔ یہ کام کسی پیشہ ور قاتل کا
لگتا ہے۔"

"تو کیا تم کسی ایسے پیشہ ور قاتل کو جانتے ہو، جسے
زرد رنگ بہت پسند ہو۔"

"جی نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے۔ بہت جلد کسی ایسے
شخص کا پتا چل جائے گا۔ ہمیں سونا گھاٹ جانا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے یہاں اپنا کام مکمل کر لیں۔"

انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ انگلیوں کے
نشانات ہر چیز پر سے اٹھائے گئے۔ تصاویر لی گئیں۔
نقشہ بنایا گیا۔ پھر لاش کو سیدھا کیا گیا۔ اس وقت
وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ اس کی مٹھی میں چند
بال پھنسے ہوئے تھے۔

"یہ بال ان کے اپنے تو نہیں ہیں۔" محمود بڑبڑایا۔

"اس کا مطلب ہے، بال قاتل کے ہیں — مرنے سے پہلے انھوں نے قاتل کو پکڑنے کی کوشش کی — یعنی خنجر جب ان کی کمر میں لگا تو یہ پلٹے اور ان کے ہاتھ میں قاتل کے سر کے بال آ گئے، لیکن پھر تکلیف کی وجہ سے انھیں بال چھوڑنا پڑے — اور یہ چند بال ان کی مٹھی میں رہ گئے — ویسے یہ کافی طاقت ور انسان تھے — اگر قاتل پیچھے سے وار نہ کرتا تو شاید یہ اسے کامیاب بھی نہ ہونے دیتے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

اُن بالوں کو بھی محفوظ کر لیا گیا — بال سُنہری رنگ کے تھے اور کافی لمبے تھے۔

"مطلب یہ کہ رائے کورا کا قاتل سُنہری لمبے بالوں والا ہے۔" فارُوق بولا۔

"اور اسے پیلی چیزوں سے عشق ہے — یہاں تک کہ دُوسروں کو ہلاک کرنے کے لیے خنجر بھی پیلے دستے والا استعمال کرتا ہے۔"

"مطلب یہ کہ اب پہلے سونا گھاٹ جانا چاہیے۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"پروفیسر صاحب اور خان رحمان — آپ آرام کریں۔"

"یہی تو مشکل ہے — اب ہم آرام نہیں کر سکتے۔"

"یہ کوئی ایسا خاص کیس نہیں ہے — جب حل ہو جائے گا تو آپ کو تفصیلات بتا دیں گے۔"

"لیکن بھئی — تم ہمیں ساتھ لے جانے سے کیوں کترا رہے ہو۔"

"تاکہ آپ دونوں کا وقت نہ برباد ہو۔"

"تم لوگوں کے ساتھ ہمارا وقت برباد نہیں — آباد ہوتا ہے۔"

"اوہو اچھا — ہم نے تو آج تک وقت کو آباد ہوتے دیکھا ہی نہیں۔" فارُوق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آؤ چلیں — ان کی مرضی — ضرور ہمارے ساتھ چل کر پریشانیاں مول لینا چاہتے ہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"ہائیں — تو سونا گھاٹ میں پریشانیاں بکتی ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"آپ کو اٹکھیلیاں سوجھی ہیں اور ابا جان بے زار بیٹھے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن کیوں — سوال تو یہ ہے — کیا اس سے پہلے ہم

خطرناک ترین مہمات میں ساتھ نہیں رہے؟

"ہاں بے شک — لیکن وہاں آپ لوگوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے — اس کیس میں آپ دونوں کی کوئی ضرورت نہیں — اور وہ علاقہ بہت زیادہ خطرناک ہے، اگر ہم وہاں گھر گئے تو کیا فائدہ ہو گا۔"

"فائدہ یہ ہو گا کہ ساتھ گھریں گے، ساتھ مریں گے۔" پروفیسر داؤد ہنسے —

"مریں آپ کے دشمن انکل۔"

"ہائیں! تم نے مجھے دشمن انکل کہا — اپنے الفاظ واپس لو۔" انھوں نے آنکھیں نکالیں۔

"میں نے آپ کو دشمن انکل نہیں کہا — انکل۔"

"کیا انکل انکل لگا رکھی ہے۔" محمود جھلا اُٹھا۔

اور پھر وہ سونا گھاٹ پہنچ گئے — یہ جرائم پیشہ لوگوں کی آبادی تھی — لیکن ایسے جرائم پیشہ لوگوں کی — جن کے بارے میں پولیس صرف شک کر سکتی تھی — یا پھر سزا یافتہ لوگوں کی — اور سزا کاٹنے کے بعد جب تک ان کے کسی جرم کا ثبوت پولیس کو نہ مل جائے — انھیں گرفتار نہیں کیا جا سکتا — لہٰذا وہ بھی یہاں رہتے تھے — گویا یہ ان کی مشترکہ آبادی تھی — اور ان لوگوں نے اپنی

حفاظت کے لیے یہ بستی بنائی تھی — یہ سوچ کر — کہ وہ ایک جگہ ہوں گے تو ان کی طاقت زیادہ ہو گی — گویا مجرم ہوتے ہوئے بھی انھوں نے اتفاق میں برکت محسوس کر لی تھی —

بستی سے کافی دور رک کر انھوں نے کار ایک طرف کھڑی کر دی —

"اب ہم خطرناک حدود میں داخل ہو رہے ہیں — یہاں اچانک کسی طرف سے بھی گولی آ سکتی ہے — اور ہم بلاوجہ نشانہ بن سکتے ہیں۔"

"ہوں! پروا نہیں — موت کا جو وقت لکھا ہے — وہ اس کے عین مطابق آ کر رہے گی — ایک لمحہ بھی نہ کوئی گھٹا سکتا ہے — نہ بڑھا سکتا ہے — ہے کوئی ولی — کوئی پیر — کوئی بزرگ — جو یہ دعویٰ کر سکے کہ ان کی موت فلاں دن، فلاں وقت — فلاں گھڑی میں ہو گی — کوئی نہیں بتا سکتا۔"

"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تب پھر جمشید — تم کون ہوتے ہو ہمیں موت سے ڈرانے والے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں — بس احتیاط کے تقاضے کے

تحت میں نے ایک بات کہی تھی — اور اب میں محسوس کر
رہا ہوں کہ وہ بھی بہرحال غلط تھی۔"

"شکریہ! دونوں ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ آگے بڑھے — انسپکٹر جمشید سب سے آگے
تھے — بستی میں داخل ہونے تک ان کی طرف کسی نے
آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، لیکن جونہی بستی شروع ہوئی — ان
پر پستول تن گئے —

"آپ لوگ کون ہیں — کہاں جانا چاہتے ہیں؟

"بستی کی سیر کرنے آئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اپنے شناختی کارڈ دکھا دیں۔"

"لیکن کیوں — کیا ہم اپنے ملک سے باہر کسی دشمن ملک
کے علاقے میں آگئے ہیں؟" انھوں نے جل کر کہا۔

"یہ ہمارا پرائیوٹ علاقہ ہے۔"

"ہوگا — ہم آپ کے گھروں میں نہیں گھس رہے — راستے
پر کھڑے ہیں۔"

"آپ لوگ کاغذات دکھائے بغیر آگے نہیں جا سکتے —
یا پھر یہ بتائیں، ملنا کس سے ہے؟"

"کولی جان سے۔"

"تب ٹھیک ہے — ہم کولی جان کو یہیں بلا لیتے ہیں۔

اگر اس نے آپ کو اندر لے جانے میں کوئی حرج نہ
سمجھا تو ہم نہیں روکیں گے۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔"

تھوڑی دیر بعد لمبے قد کا ایک چوڑا چکلا نوجوان
آتا نظر آیا — اکرام پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونکا:

"آہا انسپکٹر صاحب آپ ہیں — آپ کا اچھا سلوک مجھے
ہمیشہ یاد رہے گا۔"

"لیکن تمھاری اس بستی میں — ہم سے اچھا سلوک نہیں
ہو رہا۔"

"میں سمجھ گیا — آپ آئیے میرے ساتھ۔"

یہ کہہ کر وہ سونا گھاٹ کے دروازے پر موجود نگرانوں
سے بولا:

"یہ میرے مہمان ہیں۔"

"ٹھیک ہے کولی جان۔" ایک نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ کولی جان کے ساتھ اندر کی طرف بڑھے —
اس آبادی کے درمیان چلتے ہوئے انھیں عجیب سا احساس
ہو رہا تھا — یوں جیسے سیکڑوں آنکھیں چھپ کر انھیں گھور
رہی ہوں — یہاں سب کے سب مکان ایک منزلہ تھے،
کوئی مکان بھی دو منزلہ نہیں تھا — شاید ان جرائم پیشہ لوگوں

نے زمین خرید کر ایک ہی قسم کے مکان بنوائے تھے،
تاکہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آئیں۔

جلد ہی کولی جان کا گھر آ گیا۔ وہ انھیں لے کر
اندر داخل ہوا اور انھیں بٹھاتے ہوئے بولا:

"آپ لوگ تشریف رکھیے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"سنو کولی۔ کسی قسم کے تکلّف کی ضرورت نہیں۔ ہم
ایک ضرورت سے آئے ہیں اور بس۔ تم بیٹھو۔" اکرام نے اس
کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"لیکن آپ پہلی بار میرے گھر آئے ہیں۔ مجھے کوئی تو
خدمت کا موقع دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

اکرام نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا اور پھر کولی
کا ہاتھ چھوڑ دیا:

"حیرت ہے۔ آپ یہاں بیٹھ کر کھائیں پییں گے۔"

"نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"تب پھر؟" اکرام حیران رہ گیا۔

"بھئی۔ اسے بھی کچھ کرنے کا موقع دو۔ وہ ہمیں
دیکھ کر فکر مند ہو گیا ہے۔ اب پہلے اپنی حفاظت کا
انتظام کرے گا، پھر ہمارے پاس آ کر بیٹھے گا۔ کھانے

پینے کی چیزوں کا تو صرف بہانا ہے۔"

"اوہ!" اکرام دھک سے رہ گیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب اوکھلی میں سر
دیا ہے تو موسلوں کا کیا ڈر۔"

قریباً دس منٹ بعد کولی جان اندر داخل ہوا، اس
کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ ٹرے میں چائے کے ساتھ بسکٹ
وغیرہ بھی رکھے تھے۔

"آپ نے تو تکلّف کر ڈالا۔ صرف چائے بھی کافی تھی۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"کوئی بات نہیں سر۔ آپ میرے مہمان ہیں۔"

یہ کہ کر وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور چائے
بنانے لگا۔

"کولی۔ اس بستی میں پیلے رنگ کا عاشق کون ہے۔
مطلب یہ کہ جو ہر چیز پیلی استعمال کرتا ہو۔"

"ہر چیز پیلی۔ یہ چائے لیں اور آپ ان بسکٹوں
سے بھی تو انصاف کریں نا سر۔"

"بھئی پہلے تم سے تو انصاف کر لیں۔" انسپکٹر جمشید نے
مسکرا کر کہا۔

"جی کیا مطلب؟"

"یہ بسکٹ آپ بھی لیں نا — اور یہ چائے — آپ ہمارے ساتھ پییں۔"

"جی نہیں — میں اس وقت کسی چیز کی خواہش محسوس نہیں کر رہا۔"

"ایک بسکٹ اور ایک کپ چائے — اتنا ساتھ تو آپ کو ہمارا دینا ہی ہوگا — ورنہ ہم کیا خیال کریں گے۔"

"اوہو! آپ لیں نا۔" اس نے قدرے جھلّا کر کہا۔

"نہیں مسٹر کولی — پہلے آپ — پھر ہم — ورنہ ان چیزوں کو رہنے دیں۔"

اس نے انھیں گھور کر دیکھا — پھر سرسراتی آواز میں بولا:

"آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"زرد لباس والا — بلکہ ہر چیز جس کی زرد ہو — اس کا نام پتا؟"

"اس کا نام رامن ہے — مکان نمبر ۲۷ میں رہتا ہے، یہاں سے دوسری گلی میں — آپ جا سکتے ہیں، میری چائے کو ٹھکرا کر آپ نے میرا دل توڑ دیا۔"

"ہم تو یہ پوری ٹرے صاف کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ہمارا چائے پینے اور بسکٹ کھانے

میں ساتھ دیں۔"

"سوری! یہ نہیں ہو سکتا۔"

"واپسی پر آپ تیار رہیے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ جاتے ہوئے ہم آپ کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"لیکن کہاں؟"

"آپ نے مہمان نوازی کی ناک توڑ کر رکھ دی — ہم آپ کو اپنے گھر لے جائیں گے اور بتائیں گے کہ مہمان نوازی کیا چیز ہے — ہم آپ کے ساتھ بیٹھ کر اس وقت تک کھائیں گے اور پییں گے — جب تک کہ آپ ہاتھ نہیں روک لیں گے۔"

"ہوں! مجھے آپ کے ساتھ جانے کی کوئی ضرورت نہیں — میں بہت مصروف ہوں۔" اس نے جل کر کہا۔

"اچھا — ذرا لگے ہاتھوں اپنی مصروفیات پر بھی روشنی ڈال دیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" اس نے تنگ آ کر کہا۔

"صرف اور صرف یہ کہ جب ہم یہاں سے رخصت ہوں — آپ ہمارے ساتھ چلیں۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔"

"تب پھر، ہم آپ کو زبردستی لے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا کہا جناب — یہ سونا گھاٹ ہے۔"

"تب پھر تمھیں چائے میں زہر ملانے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ بولے۔

"کیا!!!"

باس

کولی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا:

"یہ کیا کہ دیا آپ نے — چائے میں کوئی زہر نہیں ہے — میں دعوے سے کہ سکتا ہوں۔"

"اگر اس میں یا بسکٹوں میں زہر نہیں ہے تو پھر آپ کیوں یہ چائے پی کر نہیں دکھا رہے، ساتھ میں ایک بسکٹ بھی کھا کر دکھائیں۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

کولی نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا، پھر بولا:

"اس میں صرف بے ہوشی کی دوا ہے — آپ بے ہوش ہو جاتے اور میں یہاں سے نکل جاتا۔"

"لیکن کیوں کولی — تم نے کیا جُرم کیا ہے؟" اکرام کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے کوئی جُرم نہیں کیا — لیکن یہاں کے — میرا مطلب ہے — سونا گھاٹ کے کچھ اصول ہیں — ہم سب

کو ان اُصولوں کے تحت زندگی گزارنا پڑتی ہے۔"

"اور وہ اُصول کیا ہیں کولی؟" اکرام نرم لہجے میں بولا۔

"یہاں کے باس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا — اس ملک کے صدر کی بات یہاں کوئی نہیں مانے گا — لیکن باس کی بات ہر کوئی مانے گا — اگر کسی کا کوئی مہمان آئے تو فوراً باس کو اس مہمان کے بارے میں خبر کرنا اور جو ہدایت اس سے ملے، اس پر عمل کرنا۔"

"تو تم نے پہلے — ہمارے بارے میں باس کو اطلاع دی تھی؟"

"جی ہاں!"

"پھر — اس کے بعد؟"

"اس نے حکم دیا کہ آپ سب کو بے ہوش کر دیا جائے — تاکہ پھر ہم آپ لوگوں کو قابو میں کر کے پوچھ سکیں کہ یہاں کس نیت سے آئے ہو؟"

"اس کے لیے ہمیں بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں، یہ تو ہم یونہی بتائے دیتے ہیں — زرد لباس والے کی تلاش میں آئے ہیں۔"

"باس کا پوچھنے کا اپنا طریقہ ہے۔"

"اور اب تم نے جو باس کے بارے میں ہمیں

باتیں بتا دی ہیں — کیا اب باس تم سے ناراض نہیں ہو جائے گا۔"

"نہیں! میں نے یہ باتیں اس وقت بتائیں، جب باس اور ان کے ساتھی میرے گھر کے اردگرد آ چکے تھے اور ان کی طرف سے مجھے اشارہ مل گیا تھا کہ وہ آ گئے ہیں — لہٰذا جونہی آپ بے ہوش ہوں — میں ان کے لیے دروازہ کھول دوں۔"

"تو جا کر ان کے لیے دروازہ کھول دو۔"

"یہ تو مجھے کرنا ہی ہے۔" وہ مسکرایا۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا، جلد ہی بیس کے قریب مسلح افراد اندر آ گئے — ان میں سے ایک مکمل طور پر سیاہ لباس میں تھا — اور اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آ رہا تھا —

"یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں کولی — یہ لوگ تو ہوش میں ہیں۔" سیاہ پوش کی آواز ناخوش گوار تھی۔

"انھوں نے بسکٹ اور چائے لینے سے انکار کر دیا تھا باس — میری ایک نہیں سُنی۔"

"لیکن کیوں؟"

"یہ بھانپ گئے تھے — کہ ان میں زہر ہے، حالانکہ

ان میں صرف بے ہوشی کی دوا تھی۔"

"ہوں — کیوں نہ ہو، آخر یہ انسپکٹر جمشید ہیں — یہ نہیں بھانپیں گے تو کون بھانپے گا — اچھا تو انسپکٹر صاحب — ہماری اس بستی میں آپ نے قدم رنجہ کس طرح فرمایا — کیا ہم میں سے کسی سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے — اگر ایسی کوئی بات ہے تو آپ ثبوت پیش کر دیں، ہم اسے آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔"

"زرد لباس والے یعنی رامن نے ایک شخص کا خون کر دیا ہے۔"

"اور یہ بے پر کی کس نے اڑائی ہے۔" باس ہنسا — اس کی آواز عجیب سی تھی۔

"ذرا اپنا یہ نقاب اتار دیجیے گا۔" فاروق نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"کیوں — کیا بات ہے؟"

"میں ذرا آپ کا چہرہ مبارک دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو آج تک اس بستی کے کسی جرائم پیشہ تک نے نہیں دیکھا۔"

"پھر ان لوگوں نے آپ کو اپنا باس کس طرح مان لیا۔"

"یہ بستی میں نے بسائی تھی — ان سب لوگوں کو یہاں آنے کی دعوت میں نے دی تھی — ان سب نے میری تجویز پر یہاں آنا اور میری شرائط ماننا منظور کیا تھا — میں نے ان سے ایک عہد بھی لیا — اب یہ کوئی جرم نہیں کریں گے — اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالیں گے — انھوں نے مجھ سے یہ وعدہ کیا — اب یہ سب ایک طرح سے میرے کرائے دار ہیں — یہ سب کے سب سزا یافتہ ہیں — جانتے ہیں — ہر سزا یافتہ یہاں آ کر کیوں رہنا پسند کرتا ہے — صرف اور صرف اس لیے کہ سزا یافتہ لوگوں کو آپ کا معاشرہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے — جب کہ یہ ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں — لیکن کوئی ان سے ہمدردی نہیں کرتا — نہ کوئی انھیں ملازمت دیتا ہے — لہذا میں انھیں ملازمتیں بھی دلواتا ہوں — اور رہنے کے لیے مکان بھی دیتا ہوں — خود کرایہ وصول کرتا ہوں اور ہر ماہ ان سے اپنی کمیشن بھی وصول کرتا ہوں — جو بہت معمولی سی ہوتی ہے — قانون کا کوئی رکھوالا ادھر آ

جائے تو ہم چونک جاتے ہیں۔ اوّل تو اسے
اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔ داخل ہو جائے
تو اسے بے ہوش کر کے باہر کہیں چھوڑ آتے ہیں۔
اس لیے کہ ہم بلا وجہ کی اُلجھنوں میں نہیں پڑنا
چاہتے۔ قانون کے رکھوالے بھی اب یہاں آتے
ہوئے گھبراتے ہیں۔ کیونکہ انھیں ملتا ملاتا تو کچھ
بھی نہیں۔ مفت میں بے ہوش ہونا پڑتا ہے۔"

"لیکن وہ بے ہوش کیے جانے پر تو تم پر مقدمہ
دائر کر سکتے ہیں۔ تم لوگوں کو گرفتار کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر
جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! ضرور کر سکتے ہیں۔ اور کئی ایک نے ایسا کیا
ہے۔ لیکن جس پر وہ مقدمہ درج کرتے ہیں۔ عدالت
میں اس کے بارے میں دس آدمی یہ گواہی دیتے ہیں کہ
اس وقت تو یہ صاحب فلاں جگہ موجود تھے۔ اس طرح
کیس خارج۔ اور قانون کا رکھوالا پھر ادھر آنے کے چکر
میں نہیں پڑتا۔"

"لیکن ہم لوگ ذرا اور قسم کے لوگ ہیں۔" محمود نے
منہ بنایا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔

اسی لیے بے ہوش نہیں ہوئے۔ آپ کا خیال ہے کہ
رامن نے ایک شخص کا خون کیا ہے۔ لیجیے۔ ہم رامن
کو یہیں بُلا لیتے ہیں۔ آپ اپنا اطمینان کر لیں۔" باس
نے جلدی جلدی کہا۔

اور پھر رامن نامی آدمی ان کے سامنے لایا گیا۔
وہ درمیانے سے قد کا دُبلا پتلا آدمی تھا۔ اس نے
زرد لباس پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر زرد شیشوں کا چشمہ
تھا۔ کوٹ کی جیب میں زرد گلاب کا پھول موجود تھا۔
اور ہاتھ میں زرد رومال۔

"یہ ہے رامن۔ رامن کیا تم نے کسی شخص کا خون کیا
ہے؟" باس بولا۔

"ارے باپ رے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں باس۔
جب سے میں جیل سے آیا ہوں۔ میں نے کوئی غیر قانونی
کام نہیں کیا۔ آپ کی ہدایت یہی ہے کہ اب اس بستی
میں آ جانے کے بعد کوئی جرم نہیں کیا جائے گا۔"

"اگر یہ تمام باتیں دُرست ہیں تو پھر مسٹر باس کو نقاب
میں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس طرح رُعب رہتا ہے۔" باس نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے۔ تو تم نے رائے کودا کو قتل نہیں کیا۔"

"توبہ توبہ — قتل تو میں نے پہلے بھی کبھی نہیں کیا تھا،
میں تو جیبیں کترا کرتا تھا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اچھا — ان چیزوں کو دیکھو۔"

انھوں نے اس کے سامنے زرد گلاب، رومال اور
خنجر کر دیا — وُہ ان چیزوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا،
پھر بولا:

"اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں میری نہیں ہیں۔
لیکن ہیں بالکل ایسی جیسی میں استعمال کرتا ہوں — اس
کا مطلب ہے — یہ ضرور کسی کی میرے خلاف سازش ہے۔"

"ہوں — ذرا میرے نزدیک آیئے۔"

"لک — کاٹ نہ لیجیے گا۔" اس نے ڈرے انداز
میں کہا۔

"ارے نہیں — تم فکر نہ کرو — ہم وُہ نہیں جو کاٹ
کھاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید ہنسے — پھر جونہی وُہ نزدیک آیا — انھوں
نے اس کے سر کے دو تین بال اچک لیے۔

"ارے یہ کیا کیا آپ نے؟"

"تمھارے چند بالوں کی ضرورت تھی — ان کی دھونی
دیں گے — اس طرح ہمیں قاتل کا پتا چل جائے گا۔"
فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں — ہمارے پاس قاتل کے بال
موجود ہیں — اگر یہ بال ان سے مل گئے تو پھر رامن
ہی قاتل ہے۔"

"تب تو میری خوش قسمتی کی بات ہے یہ — آپ فوراً
بالوں کو بالوں سے ملا کر دیکھ لیں۔"

"ضرور — کیوں نہیں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے بالوں والی پڑیا نکالی —
اور دونوں بالوں کو الگ الگ رکھ کر عدسے کی مدد سے
ان کا جائزہ لیا۔

فوراً ہی انھوں نے سر اوپر اُٹھایا اور بولے:

"رامن بے قصور ہے — کسی نے اپنا جرم اس کے سر
تھوپنے کی کوشش کی ہے — اور یہ بات کم حیرت کی نہیں،
آخر کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہو سکتا ہے — اس کو مجھ سے کوئی دشمنی ہو۔"

"تب پھر تم اپنے کسی دشمن کا نام بتاؤ۔"

"کم از کم مجھے نہیں معلوم — کہ کون مجھ سے دشمنی
پر اُتر آیا ہے۔"

"مسٹر باس! آپ ہم سے تعاون کریں گے۔" انسپکٹر جمشید
اس کی طرف مڑے۔

"کیسا تعاون؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم اس بستی کے تمام مردوں کے بال چیک کرنا چاہتے ہیں — اس طرح ہم رامن کے دشمن تک پہنچ جائیں گے۔"

"نہیں! ہماری بستی میں کوئی ایک دوسرے کا دشمن نہیں ہے۔" باس نے کہا۔

"یہ آپ کا خیال ہے — ہمارا نہیں۔"

"اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں۔"

"تب ہم زبردستی ایسا کریں گے — کیونکہ ہمیں رائے کورا کے قاتل کو بہرحال پکڑنا ہے — آخر وہ کون ہے — جس نے رامن کو پھنسانے کی کوشش کی ہے اور کیوں — دوسرے یہ کہ اسے رائے کورا سے کیا دشمنی تھی۔"

"میں اگر چاہوں تو آپ میرے تمام ساتھیوں کے بالوں کا معائنہ ہرگز نہیں کر سکتے — لیکن میں اپنی شرافت دکھاتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ سب لوگ آپ کے سامنے سے گزریں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی — آپ اگر چاہیں تو ہرگز نہ دکھائیں، آخر یہ کیسے ممکن ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اس لیے کہ ہم سب بے گناہ ہیں — جرائم سے توبہ کر چکے ہیں اور آپ ہمیں پریشان کرنے کا کوئی

حق نہیں رکھتے۔"

"یہ پریشان کرنا نہیں ہے — ایک انسان کو قتل کر دیا گیا ہے اور ہمیں قاتل کا سراغ لگانا ہے — اگر سب لوگ اس طرح کرنے لگیں — جس طرح آپ کر رہے ہیں تو بھلا قانون کیا کر سکے گا — کیا قاتل گرفتار ہو جائے گا — ہرگز نہیں — لہذا قانون کو حرکت میں آنا پڑے گا — پھر اس ساری بستی کی تلاشی بھی لی جائے گی اور سب کے بالوں کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔"

"جانتے ہیں، اس صورت میں کس قدر خون بہے گا۔" باس بولا۔

"خون بہانے پر آپ تلے ہیں — ہم نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے — آپ بستی کے میدان میں چلیں، میں سب کو وہیں لے کر آتا ہوں۔"

"اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ سبھی اس میدان میں آ جائیں گے — اور کوئی اپنے گھر میں چھپا نہیں رہ جائے گا۔" انھوں نے کہا۔

"میرے پاس ان سب کا ایک رجسٹر ہے — اور ظاہر ہے — وہ رجسٹر پہلے سے تیار شدہ ہے۔"

"بہت خوب! یہ جان کر خوشی ہوئی۔"

جلد ہی وہ ایک کھلے میدان میں موجود تھے — بستی کے لوگ وہاں پہنچنا شروع ہو گئے تھے — وہ سب کے سب انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو گھور رہے تھے — آخر باس ایک رجسٹر لیے آتا نظر آیا:

"ہوشیار رہنا بھئی — یہاں کسی وقت بھی، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" انھوں نے سرگوشی کی۔

"کیا ہم پستول نکال لیں؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"نہیں — البتہ ہاتھ جیبوں میں رکھے پستولوں پر جمائے رکھو — تاکہ جونہی ضرورت پڑے، پستول باہر آ جائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان کے ہاتھ جیبوں میں رینگ گئے — اتنے میں باس نزدیک آ گیا، اس نے رجسٹر ان کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کل ڈیڑھ سو آدمیوں کے نام ہیں اور میدان میں اس وقت ڈیڑھ سو آدمی ہی موجود ہیں۔ ان کے بیوی بچے یہاں نہیں لائے گئے — سزا یافتہ صرف یہ ہیں — ان کے بیوی بچے نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

انھوں نے رجسٹر کے مطابق نام پکارنا شروع کیے۔

رجسٹر کے مطابق تمام لوگ حاضر پائے گئے — اب انسپکٹر جمشید نے ایک ہاتھ میں پڑیا والے بال لیے اور دوسرے میں عدسہ سنبھالا — اس طرح انھوں نے ایک ایک کر کے تمام کے بال چیک کیے — اور یہ دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے کہ ان میں سے کسی ایک کے بال بھی ان بالوں سے نہیں ملتے تھے — اب اس کا ایک ہی مطلب تھا — اور وہ یہ کہ قاتل بستی سے باہر کا کوئی آدمی تھا۔

"کر لیا آپ نے اپنا اطمینان۔" باس کے لہجے میں گہرا طنز ان سے چھپا نہ رہ سکا۔

"ہاں! کر لیا۔" وہ بولے۔

"پھر — کون ہے مجرم؟"

"ان میں سے ایک بھی نہیں۔"

"چلیے شکر ہے — ہم تو بری ہوئے۔"

"ہاں! یہی کہا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید سرسری انداز میں بولے۔

"تو پھر اب آپ تشریف لے جائیے۔"

"ہاں! وہ تو خیر جانا ہی ہو گا — لیکن..." وہ عجیب انداز میں مسکرائے۔

"لیکن کیا؟"

"ایک آدمی ابھی رہتا ہے — ہم نے اسے چیک نہیں کیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور وہ ایک کون ہے؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ!"

"کیا!!!"

باس چلا اٹھا —

کسی بڑے کو

ڈیڑھ سو آدمیوں نے چونک کر پہلے ان کی طرف اور پھر اپنے باس کی طرف دیکھا:

"آپ کا مطلب ہے — آپ میرے بال بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔" باس نے پُرسکون ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں جناب! اب یہاں صرف آپ رہ گئے ہیں۔"

"آپ اس بات کو تو ذہن سے ہی نکال دیں کہ یہ کام میرا ہو سکتا ہے — مدّت ہوئی — میں نے جرائم چھوڑ دیے۔"

"لیکن اس کے باوجود ہمیں بال تو چیک کرنا ہوں گے۔"

"بال دکھانے کا مطلب ہے — مجھے اپنا چہرہ بھی دکھانا پڑے گا — اور ایسا میں کروں گا نہیں۔"

"اگر آپ کے لیے چہرہ چھپانا اتنا ہی ضروری ہے تو صرف بالوں پر سے کپڑا ہٹا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

یہ کہ کر اس نے بالوں پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ انھوں نے بالوں کو غور سے دیکھا ۔ وہ بال بھی پڑیا والے بالوں سے نہیں ملتے تھے۔ ایسے میں فرزانہ نے چونک کر کہا:

"کہیں ان حضرت نے اپنے اصلی بالوں کے اوپر دوسرے بالوں کی وگ تو نہیں لگا رکھی۔"

"اوہ ہاں ۔ واقعی فرزانہ ۔ بہت خوب۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں! میں نے کوئی وگ نہیں لگا رکھی ۔ آپ یہ بال کھینچ کر دیکھ لیں۔"

انھوں نے بال کھینچ کر اور اِدھر اُدھر کرکے بھی دیکھا ۔ لیکن بال نہیں ہلے ۔ آخر انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا:

"بالوں کے امتحان میں آپ لوگ بری ہو گئے ۔ اب ایک بات اور رہ جاتی ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"آپ سب کو انگلیوں کے نشانات بھی دینا پڑیں گے۔"

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں، انسپکٹر صاحب۔"

"کیوں! کیا میں نے کوئی غلط بات کر دی۔"

"جب بال ہی نہیں مل سکے ۔ تو خنجر پر پائے جانے

والے انگلیوں کے نشانات کس طرح مل سکیں گے۔"

"میں ذرا اور انداز سے سوچنے کا عادی ہوں ۔ آپ لوگوں کو انگلیوں کے نشانات بھی دینا پڑیں گے۔" وہ بولے۔

"چلیے صاحب ۔ یہ بھی کر لیں آپ۔" اس نے جھلا کر کہا۔

اور پھر ان سب کے نام لکھے گئے ۔ ہر ایک کے نام کے سامنے اس کی انگلیوں کے نشانات لیے گئے ۔ تب کہیں جا کر وہ وہاں سے رخصت ہوئے ۔

باہر نکل کر اکرام نے فنگر پرنٹ سیکشن کو فون کیا ۔ خنجر پر پائے جانے والے نشانات کے بارے میں پوچھا ۔ دوسری طرف سے جواب ملا کہ خنجر پر انگلیوں کے نشانات ملے ہی نہیں:

"اس کا مطلب ہے ۔ قاتل بہت ماہر تھا ۔ اس نے اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔" فاروق نے کہا۔

"کیوں ۔ بال تو ہمارے پاس ہیں ہی۔"

"لیکن ہم پورے شہر کے لوگوں کے بال تو چیک کرنے سے رہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ۔ آپ کیا سمجھ گئے۔" محمود چونکا۔

"یہ تم بتاؤ گے۔" وہ مسکرائے۔

"آپ کا مطلب ہے ۔ صرف میں بتاؤں گا۔"

"نہیں تم تینوں۔"

تینوں سوچ میں ڈوب گئے ۔ یہ بات بہت عجیب تھی ۔ ایک بات ان کے والد کی سمجھ میں آئی تھی اور وہ ان سے پوچھنا چاہتے تھے کہ ان کی سمجھ میں کیا بات آئی ہے ۔ لیکن ان کے والد انھیں بلا وجہ الجھن میں نہیں ڈالتے تھے ۔ بات ضرور ذہن میں آنے والی تھی ۔ تبھی وہ ان سے پوچھ رہے تھے ۔ آخر کئی منٹ بعد فرزانہ نے کہا:

"میں سمجھ گئی ابّا جان۔"

"اس کا مطلب ہے ۔ محمود اور فاروق پیچھے رہ گئے۔"

"جی نہیں ۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ۔ میں بھی سمجھ گیا۔" محمود بولا۔

"فاروق مجھے تم سے ایسی اُمید نہیں تھی۔"

"تو پھر آپ کو جیسی امید تھی ۔ میں ویسی ہی اُمید پر پورا اُتروں گا ۔ مطلب یہ کہ میں بھی سمجھ گیا۔"

"اوہو اچھا ۔ تو پھر تم تینوں لکھ کر دے دو۔"

"کیا خیال ہے ۔ جمشید ۔ ہم بھی لکھ کر دے دیں۔"

"نہیں ۔ آپ لوگ نہیں۔" وہ مسکرائے۔

تینوں نے لکھ کر دے دیا ۔ انھوں نے پڑھا اور

مسکرا دیے ۔

"تینوں درست نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"اور وہ نتیجہ کیا ہے؟"

"رائے کورا کو قتل کر کے ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے ، تاکہ ہم اصل مجرم تک نہ پہنچ سکیں۔"

"تب پھر۔"

"ہم اپنی تفتیش وہیں سے شروع کریں گے ۔ جہاں رائے کورا کے قتل سے پہلے کر رہے تھے۔"

"بہت خوب ! اس کیس کی بقیہ تفتیش اب صرف تم کرو گے ۔ ہم یہاں سے گھر جائیں گے ۔ تم تفتیش کے سلسلے میں جہاں جانا چاہو ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"یہ ایک اور رہی ۔ ہم بھی کیوں نہ تفتیش کریں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں ۔ تم ذرا سست ہوتے جا رہے ہو ۔ بھاگ دوڑ کے کاموں میں نہیں ۔ ذہنی بھاگ دوڑ میں ۔ میں چاہتا ہوں ۔ تم تینوں کے دماغ ذرا رفتار پر آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے ۔ جیسے آپ کی مرضی۔"

اور پھر انسپکٹر جمشید ، پروفیسر داؤد اور خان رحمان گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ انھیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے — پھر ایک دُوسرے کی طرف دیکھا :

" اب ہم کیا کریں ؟"

" چلتے ہیں — کچھ تو کرنا پڑے گا" محمود پُر اسرار انداز میں بولا —

کار کے ذریعے انھوں نے ایک طویل سفر کیا اور پھر ایک دیہات میں پہنچے — ایک راہگیر سے محمود نے پوچھا :

" کیوں جناب — راون بالا یہی ہے "

" جی ہاں ! بالکل "

" نواب بومی نے اس گاؤں میں پچیس سال گزارے ہیں ، آپ کو یہ بات معلوم ہے ؟"

" اور یہ بات بھلا کسے معلوم نہ ہو گی " اس نے حیران ہو کر کہا۔

" بہت خوب ! آپ ہمیں اس مکان تک لے جا سکتے ہیں ، جہاں وہ رہتے رہے ہیں "

" وہ مکان نہیں — حویلی ہے — اس گاؤں میں وہی ایک حویلی ہے — لہٰذا وُہ اس میں رہے تھے "

" حویلی کس کی ہے ؟"

" انھی کی — انھوں نے یہاں آ کر حویلی خود ہی بنوائی تھی "

" کیا مطلب ؟" وُہ حیران رہ گئے۔

" جی ہاں ! کرائے کے مکان میں رہتے ہوئے انھوں نے پہلے یہاں زمین خریدی ، پھر اس زمین پر حویلی بنوائی اور جب وہ مکمل ہو گئی تو اس میں رہنے لگے "

" بہت خوب ! اب رُخصت کے وقت انھوں نے حویلی کا کیا کیا ؟"

" کچھ بھی نہیں — تالا لگا کر شہر چلے گئے — اب کبھی کبھار یہاں آ کر رہا کریں گے "

" اوہ اچھا — تو پھر ہمیں وہاں تک لے چلیں — آپ بھی کار میں آ جائیں "

" نن — نہیں " اس نے گھبرا کر کہا۔

" گھبرانے کی ضرورت نہیں — کار میں آ جائیں "

وُہ انھیں حویلی تک لے آیا — حویلی سادہ سی تھی — اور زیادہ بڑی بھی نہیں تھی — ظاہر ہے ، انھیں یہاں صرف پچیس سال رہنا تھا — تمام زندگی نہیں —

" کوئی اور بات جو آپ ان کے بارے میں بتا سکیں "

" آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں ؟"

"پچیس سال پہلے کی باتیں۔" وہ مسکرایا۔

"لیکن تیری تو اپنی عمر پچیس سال نہیں ہے۔"

"آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں، لیکن ہم بھی کیا کریں، مجبور ہیں۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"ہم بھی کچھ نہیں سمجھ پاتے اب تک — آپ کیسے سمجھ جائیں گے — اچھا، آپ کا .. بہت بہت شکریہ۔"

"کسی کو نواب صاحب کے گھرانے کے بارے میں کوئی بات معلوم ہو تو ضرور ہمیں بتا دیجیے گا۔"

"تو کیا آپ گاؤں میں ٹھہریں گے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں! بلکہ اس حویلی میں۔"

"لیکن اس میں تو تالا لگا ہوا ہے۔"

"تالے توڑنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے — ویسے دائیں ہاتھ کا ہوتا تو بھی کوئی بات نہیں تھی۔"

"لوگ جمع ہو جائیں گے، پھر پولیس آ جائے گی — گاؤں میں کرائے کے مکان عام مل جاتے ہیں — آپ کوئی کرائے کا مکان لے لیں۔"

"یہی تو مشکل ہے — ہم صرف اور صرف اس حویلی میں ہی رہ سکتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی — میں تو چلا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"شکریہ!" تینوں ایک ساتھ بولے — اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

اب انھوں نے ماسٹر کی سے تالا کھولا، عین اسی وقت ایک دیہاتی اس طرف سے گزرا:

"یہ — یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"جو ہمیں کرنا چاہیے۔"

"آپ نے حویلی کا تالا توڑا ہے؟"

"توڑا نہیں، کھولا ہے۔" محمود نے وضاحت کی۔

"اوہ — تو آپ یہاں رہنے کے لیے آئے ہیں — میں سمجھ گیا — آپ نواب صاحب کے رشتے دار ہیں — اور حویلی کی چابی آپ کو انھوں نے دی ہو گی۔"

"جی نہیں — انھوں نے چابی نہیں دی — ہم نے اپنی چابی سے کھولا ہے تالا۔"

"ارے باپ رے — آپ لوگ چور ہیں۔"

"چور ہم جیسے ہوتے ہیں۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"پ — پتا نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"جب کسی بات کا پتا نہیں تو پھر کیوں دوسروں کو چور سمجھ رہے ہیں — جائیے — اپنے کسی بڑے کو بلا

کر لائیے۔"

"لگ — کسی بڑے کو — لیکن کیوں؟"

"آپ کے کسی بڑے کو ہم بتائیں گے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور یہ کہ ہم نے تالا کیوں کھولا ہے۔"

اس نے دوڑ لگا دی — پھر تو ان کے گرد اچھا بھلا میلہ سا لگ گیا —

"ہم نے تو کسی بڑے کو بلایا تھا — اور آپ چھوٹے بڑے سب آ گئے۔" فاروق مسکرایا۔

محمود اور فرزانہ ہنس پڑے —

"بھئی واہ — مزا آ رہا ہے۔"

"ابھی اور آئے گا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ سب کیا ہے؟" گاؤں کے لوگ چلّائے۔

"آپ لوگوں کا اشارہ کس طرف ہے؟"

"حویلی کے دروازے کی طرف۔"

"ہاں! یہ دروازہ ہی ہے — ہم اس کو کب حویلی کہ رہے ہیں۔"

"آپ نے تالا کیوں کھولا؟"

"حویلی میں رہنے کے لیے۔"

"تو کیا آپ نواب صاحب سے اجازت لے کر آئے

ہیں؟" ایک دیہاتی نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تب تو یہ غیر قانونی حرکت ہو گئی — پولیس آئے گی اور آپ لوگوں کو گرفتار کرے گی۔"

"جب پولیس آئے گی — تب اس سے بات کریں گے، اس وقت تو آپ لوگوں سے بات کرنا ہے — آپ میں اگر کوئی عقل مند، دانا اور عمر رسیدہ آدمی ہے تو سامنے آ جائے۔"

"کیا مطلب — کیا آپ کے خیال میں ہمارے گاؤں میں سب بے وقوف رہتے ہیں۔" ایک پڑھے لکھے نوجوان نے چلّا کر کہا —

"نہیں — ہمارا یہ مطلب نہیں تھا — دراصل آپ میں سے جو سب سے زیادہ عمر کا آدمی ہے، ہم اس سے بات کرنا چاہتے ہیں — پھر ہمارے آنے کی وجہ بھی سب کو معلوم ہو جائے گی اور آپ کی الجھن بھی دور ہو جائے گی۔" محمود بولا۔

آخر ایک بوڑھا آدمی لوگوں کے درمیان سے نکل کر سامنے آ گیا۔

"میں ہوں اس گاؤں کا سب سے زیادہ عمر والا آدمی۔"

انھوں نے دیکھا — وہ واقعی کافی بوڑھا تھا۔

"شکریہ! آپ آگے آ جائیں — ہم لوگ اندر بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"کہیں — کہیں یہ لوگ کوئی چکر نہ چلا رہے ہوں۔" کسی نے ہانک لگائی۔

"پولیس کو بلا لینا چاہیے — کہیں یہ لوگ گاؤں کا صفایا نہ کر جائیں۔"

"ہاں ہاں — یہ ٹھیک رہے گا۔" کئی لوگ چلائے۔

اور پھر کچھ نے دوڑ لگا دی — شاید وہ پولیس اسٹیشن جا رہے تھے — باقی لوگ جُوں کے تُوں کھڑے رہے —

وہ بوڑھے کو لے کر حویلی کے اندر آ گئے — بیٹھنے کے لیے میز اور کرسیاں صاف کیں، پھر وہ میز کے گرد بیٹھ گئے —

"نواب صاحب یہاں کب آئے تھے؟" محمود نے پہلا سوال پوچھا۔

"آج سے پچیس سال پہلے۔"

"بس دو میاں بیوی تھے — یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟"

"ان کے ساتھ ان کا ملازم تھا اور بچہ۔"

"بچہ — کیا مطلب؟"

"نواب صاحب کی بیگم صاحبہ کی گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔"

"اوہ اچھا — پھر انھوں نے کرائے کا مکان لیا — اس کے بعد یہ حویلی تعمیر کروائی۔"

"جی ہاں!"

"پچیس سال کے دوران وہ یہاں کیا کرتے رہے؟"

"بس کرنا کرانا کیا تھا — رہتے رہے — کھاتے پیتے رہے، عیش کرتے رہے۔"

"گویا وہ تمام وقت حویلی میں ہی رہتے تھے — کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔"

"کیوں نہیں — وہ اکثر اپنی کار میں بیٹھ کر کہیں جاتے تھے — بلکہ بعض اوقات تو کئی کئی دن کے لیے کہیں جاتے تھے — پھر لوٹ آتے تھے۔"

"ان کے بارے میں کوئی عجیب بات — جو آپ نے یا گاؤں کے لوگوں نے محسوس کی ہو؟"

"دس بارہ سال کی عمر کو پہنچنے تک ان کے بچے کو کوئی نہ دیکھ سکا — غالباً بارہ سال بعد گاؤں کے لوگوں نے بچے کو دیکھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ وہ اپنے بچے کو چھپا کر رکھتے تھے۔ گاؤں کا کوئی آدمی یا عورت ان کے بچے کو نہ دیکھ سکا۔ یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا۔ پھر لوگوں نے اسے دیکھا۔" بوڑھے دیہاتی نے بتایا۔

"حیرت ہے۔ کمال ہے۔ آخر وہ اپنے بیٹے کو لوگوں کی نظروں سے کیوں چھپاتے رہے؟"

"یہ تو وہی بتا سکتے ہیں جناب۔"

"کیا گاؤں کے لوگ اس بات پر حیران نہیں ہوتے رہے تھے؟"

"بہت حیران ہوتے رہے، لیکن نواب صاحب نے یا ان کی بیگم صاحبہ نے یا ان کے ملازم نے کبھی کسی کو کچھ نہ بتایا۔"

"ہوں۔ آپ ذرا ٹھہریں۔ ہم کار میں جا کر ایک فون کر کے آتے ہیں۔" محمود نے کہا اور فاروق اور فرزانہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"یہ تو عجیب ترین بات معلوم ہوئی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"شاید اب یہ کیس حل ہونے والا ہے۔" محمود نے کہا۔

اور پھر کار میں لگے فون سے انھوں نے نواب صاحب کے نمبر ملائے۔ جلد ہی نواب صاحب کی آواز سنائی دی۔

"نواب صاحب۔ میں محمود بات کر رہا ہوں۔ گاؤں راون بالا سے۔"

"کیا۔ آپ لوگ وہاں بھی پہنچ گئے۔"

نواب صاحب اس قدر زور سے چلائے کہ محمود کے کان جھنجلا اٹھے۔

ایک اور

انھوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا، پھر محمود نے کہا:

" اس میں اس قدر تیز آواز میں بات کرنے کی کیا ضرورت ہے نواب صاحب۔ کیا ہم سے کوئی بھول ہو گئی ہے:"

" آخر آپ لوگ وہاں کیا کر رہے ہیں؟"

" آپ کے کیس کی تفتیش۔ وہ کون تھا۔ جس نے آپ کو پچیس سال پہلے دھمکی دی تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے پچیس سال اس گاؤں میں کیوں گزارے۔ آخر آپ کو کیا مجبوری تھی۔ اب ہم آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹے کو سب لوگوں سے چھپاتے کیوں رکھا؟"

" اسی کے خوف سے"۔ نواب صاحب بولے۔

" تب پھر بارہ سال کا ہونے کے بعد لوگوں کے سامنے کیوں آنے دیا؟"

" بس خوف دُور ہو گیا تھا۔ دوسرے شاہزادہ بہت تنگ کرنے لگا تھا:" وُہ بولے۔

" اچھا شکریہ:" یہ کہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اب وُہ پھر حویلی میں آ گئے۔

" کوئی اور بات۔ جو آپ بتا سکیں:"

" ان کے بارے میں آپ ان کے ملازم سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ ہر بات تو صرف ان کا ملازم بتا سکتا ہے:"

" ہم اس سے بھی پوچھیں گے۔ آپ کچھ بتا سکتے ہیں تو بتا دیں:"

" وہ ہر ہفتے مناواں شہر ضرور جاتے تھے۔ سُنا ہے، وہاں کے کسی بڑے ڈاکٹر سے شاہزادے کا علاج کرانے جاتے تھے:"

" کیوں۔ کیا شاہزادہ بیمار رہتا تھا؟"

" پتا نہیں جناب۔ بس وُہ جاتے ضرور تھے:"

" شکریہ! آپ جا سکتے ہیں:"

عین اس وقت باہر کوئی گاڑی آ کر رُکی، پھر شور مچ گیا:

"پولیس آگئی — پولیس آگئی۔"

بوڑھا گھبرا گیا — اور اٹھ کر جانے لگا۔

"آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں — پولیس آپ کو کچھ نہیں کہے گی۔"

اسی وقت ایک سب انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہوا:

"تو یہ ہیں وہ!"

"جی ہاں! ہم ہی ہیں وہ۔"

"آپ نے حویلی کا تالا کیوں توڑا؟" سب انسپکٹر نے چلّا کر کہا۔

"آرام اور سکون سے بات کریں — آئیے بیٹھ جائیں۔" محمود نے کہا۔

"نہیں — آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا — بات وہاں جا کر کی جائے گی۔"

"یہ ہمارے کارڈ دیکھ لیں۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

کارڈ دیکھ کر وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"اوہ معاف کیجیے گا جناب — اب ہمیں کیا معلوم تھا۔"

"کوئی بات نہیں — آپ جا سکتے ہیں۔"

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بتائیے گا۔"

"شکریہ! مناواں شہر کا سب سے بڑا اور مشہور ڈاکٹر کون ہے؟"

"ڈاکٹر جبار خان۔"

"شکریہ! آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ چلے گئے — ان کے ساتھ ہی گاؤں کے لوگ بھی کائی کی طرح چھٹ گئے — اب وہ مناواں کے لیے روانہ ہوئے — ڈاکٹر جبار خان کے گھر پہنچے — اس نے اپنا پرائیویٹ کلینک وہیں بنا رکھا تھا — صبح ہسپتال میں ہوتا تھا اور شام کو یہاں — وہ گنجے سر والا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا — اس کے کمرے میں اس کا ایک ماتحت کسی مریض کا بلڈ پریشر چیک کر رہا تھا۔

"فرمائیے — میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" ڈاکٹر نے انھیں دیکھ کر کہا — تعارف کے بعد فاروق نے پوچھا:

"نواب بومی کو جانتے ہیں؟" یہ کہتے وقت اس کی نظریں ڈاکٹر کے بالوں پر جم کر رہ گئیں۔

"جی ہاں! بہت اچھی طرح۔"

"وہ اپنے بیٹے کا آپ سے علاج کراتے رہے ہیں۔"

"جی ہاں بالکل!"

"ان کے بیٹے کو کیا بیماری تھی؟"

"بس شروع سے ہی کمزور سا تھا۔"

"تو آپ اسے صحت مند بنانے کی کوشش کرتے رہے۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر۔ کیا آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے؟"

"ضرور کیوں نہیں۔ کیا آپ نے شاہزادے کو دیکھا نہیں۔"

"ہاں! وہ کافی صحت مند ہو چکا ہے۔"

"ویسے آپ کے بارے میں سنا ہے۔ آپ بہت مشہور ڈاکٹر ہیں۔ پورے ملک میں آپ کا نام ہے۔"

"یہ تو بس اللہ کی مہربانی ہے جناب۔"

"آپ کی شہرت کس وجہ کیا ہے ڈاکٹر صاحب؟"

"میں سرجری کا ماہر ہوں۔"

"تو کیا آپ کو شاہزادے کا کوئی آپریشن کرنا پڑا تھا؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ وہ تو بس عام سا بیمار تھا۔ میں صرف سرجن ہی نہیں ہوں۔ فزیشن بھی ہوں۔"

"شکریہ جناب۔"

تینوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دروازے پر کھڑے چوکیدار کے پاس رک کر فاروق نے پوچھا:

"ایک نرس۔ جو بہت بوڑھی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب

نے اسے ریٹائر کر دیا تھا۔ آپ اس کے گھر کا پتا بتا سکتے ہیں؟"

محمود اور فرزانہ نے اس کی طرف حیران ہو کر دیکھا، لیکن وہ مسکرا دیا۔ ادھر چوکیدار نے کہا:

"ہاں جناب۔ میں اس کا پتا جانتا ہوں۔ ڈی، ایف بلاک میں رہتی ہے۔ مکان کا نمبر ہے آٹھ سو چالیس، نام ہے مریم۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ کار محمود چلا رہا تھا۔ کچھ دور جا کر فاروق نے کہا:

"کار ایک طرف کر لو۔"

"کیوں کیا بات ہے؟"

"میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ چوکیدار کے پاس کوئی آتا ہے یا نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔"

"ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ تم بہت پُر اسرار بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ کہیں منہ کے بل نہ آ گرنا۔" محمود نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"مرچیں نہ چباؤ — اور یہ دیکھو کہ ہوتا کیا ہے — وُہ
ہو ڈاکٹر صاحب چلے آ رہے ہیں — اوہ — تو میرا اندازہ
ست نکلا — وہ دیکھو — ڈاکٹر صاحب چوکیدار سے کچھ پوچھ
ہے ہیں — آخر انھیں چوکیدار سے آ کر کچھ پوچھنے کی کیا
رورت تھی۔"
"بھئی یہ ان کا کلینک ہے — کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت
یش آ سکتی ہے۔" فرزانہ بولی۔
"نہیں — ضرور کوئی بات ہے — ہمیں جلد از جلد اس بوڑھی
رس سے ملاقات کر لینی چاہیے — ڈاکٹر کے بال بالکل ویسے
ہیں، جیسے رائے کورا کی مٹھی میں تھے۔"
محمود نے کار کی رفتار بڑھا دی — جلد ہی وُہ اس کے
گھ کے سامنے پہنچ گئے — عین اس وقت دروازہ کھلا اور
ایک شخص گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلا —
"ذرا بات سُنیئے گا۔" محمود اور فاروق فوراً اس کے راستے
میں آ گئے —
"کک — کیا بات ہے؟"
"شاید نرس صاحبہ کے گھر میں فون نہیں ہے — اس لیے
ڈاکٹر صاحب کو آپ کو بھیجنا پڑا۔"
"کیا مطلب؟" وُہ دھک سے رہ گیا۔

"ڈاکٹر صاحب نے نرس کو یہی پیغام بھیجا ہے نا کہ ان سے
ملنے کچھ لوگ آ رہے ہیں — وہ نواب بومی کے بارے میں
کچھ سوالات پُوچھنا چاہتے ہیں — تم انھیں کچھ نہ بتانا۔"
"نن — نہیں۔" اس کا رنگ اڑ گیا۔
"اگر یہ بات نہیں ہے — تو پھر آپ یہاں کیسے نظر آ
رہے ہیں اور آخر آپ کس قدر تیز رفتاری سے آئے ہیں۔
ہم تو کار پر ہوتے ہوئے آپ سے پہلے نہیں پہنچ سکے —
بھئی ہم آپ کو ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں دیکھ چکے ہیں
اور ان سے ملاقات کرنے جب ہم وہاں پہنچے تو آپ
کسی مریض کا بلڈ پریشر چیک کر رہے تھے۔"
"ہاں ! یہ ٹھیک ہے۔"
"اور ہمارے سامنے انھوں نے آپ کو یہاں آنے کی
کوئی ہدایت نہیں کی تھی — ظاہر ہے، ہمارے وہاں سے
نکل آنے کے بعد ہی کوئی ہدایت دی ہو گی — تب پھر
آپ اس قدر جلد کس طرح آ گئے؟"
"گلیوں کا راستا سڑک کے راستے کی نسبت آٹھ گنا
مختصر ہے۔"
"اوہ ! تب تو ٹھیک ہے — نرس مریم صاحبہ تو ٹھیک
ہیں نا؟"

"ہاں بالکل۔"

"جب تک ہم انھیں زندہ نہیں دیکھ لیتے، آپ نہیں جا سکتے۔"

"کیا مطلب — کیا آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔"

"اس بات کا امکان ہے۔"

"تب پھر پہلے آپ اندر جا کر دیکھ لیں۔"

"آپ ہمارے ساتھ چلیں — بلکہ پہلے ہم دستک دیں گے۔" یہ کہہ کر محمود نے دستک دی۔

دروازہ ایک سفید بالوں والی بوڑھی عورت نے کھولا:

"یہی مریم ہے۔"

"شکریہ! اب تم جا سکتے ہو۔" محمود نے کہا اور وہ چلا گیا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں ہے — اپنا وقت نہ ضائع کریں۔"

"ہم جانتے ہیں — آپ کو ڈاکٹر صاحب کی ہدایت مل گئی ہے — لیکن آپ کا مرنے کا وقت بھی نزدیک ہے — اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گی۔"

"کیا مطلب؟"

"جو کچھ ہوا ہے — بتا دیں — تاکہ آپ کی آخرت سنور جائے۔"

"ڈاکٹر مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہم اسے نہیں چھوڑیں گے، اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے — آئیے اندر۔"

وہ اندر جانے کے لیے مُڑے ہی تھے کہ بڑھیا تڑ سے گری اور ساکت ہو گئی۔

وہ تیزی سے اس پر جھک گئے — اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

جُرم جُرم ہے

انھوں نے دیکھا، نرس مریم مر چکی تھی۔

"ڈاکٹر جبار خان کا ملازم باہر نکلنے سے پہلے ضرور اس پر وار کر گیا ہے۔ اس کے جسم میں کوئی ایسا زہر داخل کیا گیا ہے۔ جو چند منٹ بعد فوری طور پر اثر کرتا ہے۔ خیر۔ یہ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا۔"

پولیس کو فون کر کے اور ہدایات دے کر وہ سیدھے مرکزی بینک پہنچے۔ مینجر سے انھیں یہاں بھی تعارف کرانا پڑا، پھر محمود نے پوچھا:

"ڈاکٹر جبار خان کا اکاؤنٹ آپ کے بینک میں ہے؟"

"ہاں جناب۔"

"ان کا بیلنس بتا دیں۔"

"ہم ایسا نہیں کر سکتے۔" اس نے کہا۔

"یہ اجازت نامہ ملاحظہ فرمائیں۔" محمود نے صدر صاحب کی

طرف سے جاری کردہ اجازت نامہ اس کے سامنے کر دیا۔

"اب بات دوسری ہے۔"

پھر اس نے ایک ملازم کو ہدایت دی۔

"کھانا یہیں لے آئیں۔" محمود نے کہا۔

"چلو۔ لے آؤ کھانا۔" مینجر بولا۔

اور پھر اکاؤنٹ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ اس کے اکاؤنٹ میں بے تحاشہ دولت تھی۔ ایک ڈاکٹر دن رات پریکٹس کر کے بھی اس قدر دولت جمع نہیں کر سکتا تھا۔

"آئیے چلیں۔"

"کہاں؟"

"گھر چلیں گے اب۔" فاروق بولا۔

"اور ڈاکٹر؟"

"دارالحکومت کی پولیس کے ذریعے وہیں بلوا لیں گے انھیں۔"

"لیکن اس دوران تو وہ فرار ہونے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"نہیں کر سکیں گے۔ ہم اس کا بھی انتظام کر کے یہاں سے جائیں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔"

اور پھر محمود انتظامات میں مصروف ہو گیا۔ مناداں کی
پولیس نے ڈاکٹر جبار خان کی نگرانی کی حامی بھر لی —
پھر وہ دارالحکومت روانہ ہوئے۔ انسپکٹر جمشید کو تمام حالات
سنائے گئے۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے:

"اس کا مطلب ہے — رائے کورا کو بھی ڈاکٹر جبار خان
نے ہلاک کیا ہے۔"

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"لیکن ابھی تک ہم یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ یہ چکر
کیا ہے۔"

"جس کے ذریعے یہ معلوم ہونے کی امید تھی، اسے بھی
ڈاکٹر جبار خان نے ختم کرا دیا۔ اب صرف اور صرف ایک
آدمی ایسا ہے۔ جو ساری بات بتا سکتا ہے — نواب
صاحب کا ملازم بابا عاقل۔"

"بالکل ٹھیک — میں ابھی اسے بلواتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے فون پر اکرام کو ہدایات
دیں — اور یہ بھی کہا کہ بابا عاقل کو بھی کہیں ختم نہ کر
دیا جائے، لہٰذا بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

آدھ گھنٹے بعد بابا عاقل سہما سہما سا ان کے سامنے
بیٹھا تھا۔

"ساری بات سچ سچ بتا دیں۔ ورنہ وہ لوگ نرس
مریم کو ہلاک کر چکے ہیں، رائے کورا کو ہلاک کر چکے ہیں۔
اب آپ کی باری ہے، کیونکہ ہمیں کچھ بتانے کے قابل
شخص اب آپ ہی رہ گئے ہیں — نواب ٹومی اور ڈاکٹر جبار
تو کچھ بتائیں گے نہیں۔"

"آپ — آپ ٹھیک کہتے ہیں — لیکن میرا کیا بنے گا؟"

"آپ کو جیل نہیں بھیجا جائے گا، کیونکہ اس جرم
میں آپ کا کوئی حصہ نہیں — ایک ملازم ہونے کے
ناطے آپ سب کچھ آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں اور
بس — ڈر کی وجہ سے پولیس کو کچھ بتانے کی آپ میں
جرأت نہیں تھی۔"

"جج — جی ہاں! یہی بات ہے — اور پھر میں بچپن سے
اس خاندان کا ملازم ہوں — ویسے نواب صاحب بہت
اچھے آدمی ہیں — بہت نیک — اس ایک جرم کے علاوہ انھوں
نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"جی ہاں! ان کے ہاں — ایک عجیب الخلقت بچہ پیدا
ہوا تھا — اس کا چہرہ کسی طرح بھی انسانی چہرہ
نہیں تھا — نہ آنکھیں انسانی تھیں — صرف جسم انسانی

تھا ۔ گردن سے اُوپر کا حصّہ بالکل انسانی نہیں تھا،
ڈاکٹروں نے انھیں یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ
ان کے ہاں بس ایک ہی بار اولاد پیدا ہو
گی ۔ اس کے بعد ان کی بیوی کِسی بچّے کی ماں
نہیں بن سکے گی ۔ لہٰذا جب وُہ غیرانسانی شکل
والا بچّہ پیدا ہوا تو نواب صاحب کے ہوش اڑ
گئے ۔ بچّہ رات کے وقت گھر میں ہی پیدا ہو گیا
تھا ۔ کسی نرس وغیرہ کو بھی بلانے کی ضرورت
نہیں پیش آئی تھی ۔ لہٰذا یہ راز صرف ہم تین کو
معلوم تھا ۔ لہٰذا اسی وقت نواب صاحب ہمیں
لے کر شہر سے نکل گئے ۔ اپنے بینک کے کاغذات
وُہ ساتھ لے گئے تھے ۔ مناواں میں جا کر انھوں
نے نیا اکاؤنٹ کھلوایا اور اپنی دولت اس بینک
میں منتقل کروا لی ۔ وہاں کا ڈاکٹر جبار پورے
مُلک میں سرجری کا بادشاہ مانا جاتا ہے ۔ اس
لیے انھوں نے اس شہر کا انتخاب کیا تھا ۔

لیکن ڈاکٹر جبار نے بتایا کہ بچّے کے چہرے پر
دس بارہ سال کی عمر سے پہلے کام شروع نہیں کیا
جا سکتا ۔ اس کے چہرے میں کسی دُوسرے لڑکے

کی آنکھیں لگائی جائیں گی ۔ کسی دُوسرے بچّے کی
ناک، ہونٹ اور کان لگائے جائیں گے ۔ تب
کہیں جا کر وُہ خوب صُورت نظر آئے گا، اس
قِسم کا ایک بچّہ کہیں سے لا کر دینا کوئی آسان
کام نہیں تھا ۔ ڈاکٹر نے یہ کام بھی خود کرنے
کی حامی بھر لی ۔ اس طرح یہ سودا طے ہوا ۔
دس کروڑ ڈاکٹر جبار کو دیے گئے ۔ پھر بارہ سال
بعد یہ کام شروع ہوا ۔ بارہ سال کی عُمر کے لڑکے
کا ڈاکٹر نے کہاں سے انتظام کیا تھا ۔ یہ بات
مجھے نہیں معلوم ۔ یا تو اغوا کیا ہو گا ۔ یا کسی یتیم خانے
سے حاصل کیا ہو گا ۔ رہ گئی وہ زرد چیزیں ۔ ڈاکٹر
جبار خان دامن سے واقف ہو گا ۔ اس نے آپ
کو اُلجھانے کے لیے وُہ چیزیں وہاں گرا دیں ۔
اور بس۔"

"اُف مالک!" انسپکٹر جمشید کانپ گئے ۔

اور پھر انھوں نے نواب، لوی اور ڈاکٹر جبار کو گرفتار
کر کے لانے کی ہدایات جاری کر دیں ۔

اکرام چند گھنٹوں بعد انھیں لے کر حاضر ہو گیا ۔ ان
کے رنگ دُودھ کی طرح سفید تھے ۔ انسپکٹر جمشید نے

ان سے کہا:

"ڈاکٹر صاحب آپ نے دس کروڑ تو حاصل کر لیے — اور نواب صاحب آپ نے ایک خوب صورت بیٹا تو حاصل کر لیا — لیکن آپ لوگ نہ اس دولت سے فائدہ اُٹھا سکیں گے — نہ اپنے بیٹے کی محبت کے مزے لوٹ سکیں گے — اس لیے کہ جُرم جُرم ہے۔"

لکی نمبرز — شروع ہونے کے بعد سے

- اکثر شہروں سے ناول نہ ملنے کی اطلاعات ملی ہیں۔ خاص طور پر کراچی سے۔
- اس سلسلے میں آپ اتنا کریں کہ اپنے بُک سٹال والے کے پاس پہلے ہی پیسے جمع کروا دیا کریں۔
- یا پھر پہلے ہی ہمیں ایک خط لکھ دیا کریں کہ یہ ناول بذریعہ وی پی ارسال کر دیں۔
- اس صورت میں کسی بھی شہر کے کسی بھی حصّے کے قاری کو کتابیں بروقت اور آسانی سے مل جایا کریں گی۔
- اور آپ انتظار کی مصیبت سے صاف بچ جایا کریں گے۔
- آج ہی سے اس نسخے پر عمل کریں۔

شکریہ!

لکی نمبرز کے انعامات کا اعلان

- مندرجہ ذیل چار نمبر بذریعہ قرعہ اندازی لکی قرار پائے۔ ہر نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جائے گا:

۱ — آگ ہی آگ ——— لکی نمبر ۳۸۷۸

۲ — چور دروازہ ——— " ۴۹۷۴

۳ — اُڑتی لاش ——— " ۵۰۶۰

۴ — سب سے بڑا ڈاکا ——— " ۳۲۹۵

- جن چار خوش نصیب قارئین کے پاس یہ ناول ہیں، وہ فوری طور پر ہمیں بذریعہ رجسٹری ارسال فرمائیں، تاکہ ان قارئین کو انعام روانہ کیا جا سکے۔
- آئندہ ماہ کے ناولوں میں انعام پانے والوں کے نام اور پتے بھی شائع کیے جائیں گے۔
- لکی نمبرز والے ناول مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کریں:

اشتیاق پبلی کیشنز

۱۲/۹ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں، لاہور

فائدے کی بات

- آیندہ ماہ آپ ان شاءاللہ "زندہ قبرستان" (۱۰ روپے)، "قبرستان کی موت" (۱۰ روپے)، "وار پروار" (۱۰ روپے) "راڈیا کا قتل" (۱۰ روپے) "اژدھے کا بیگ" (۷/۵۰ روپے) اور "ملاشا کا زلزلہ" (۴۰ روپے) پڑھیں گے۔
- ان تمام ناولوں کی کُل قیمت ۸۷/۵۰ روپے بنتی ہے، لیکن ادارے سے منگوانے پر آپ کو یہ تمام ناول صرف ۷۲/۰۰ روپے میں ملیں گے۔
- اگر آپ انسپکٹر جمشید سیریز کے نئے چار ناول منگوانا چاہتے ہیں تو ادارہ آپ سے ۴۰ روپے کی بجائے ۳۱ روپے وصول کرے گا۔
- ناول بذریعہ وی پی ارسال کیے جاتے ہیں۔
- پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت سے ۵ روپے زائد وصول کرے گا۔ اس طرح آپ کو ناول گھر بیٹھے ملنے کے ساتھ ساتھ نئے چار ناولوں پر ۴ روپے اور مکمل سیٹ پر ۱۰/۵۰ روپے کی بچت ہوگی۔
- ہے نا فائدے کی بات۔ خط لکھ کر آرڈر نوٹ کروائیں۔ شکریہ!

آرڈر بھیجنے کا پتا:

اشتیاق پبلی کیشنز، ۹/۱۲۰ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں، لاہور

— لکی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۴۸

— پہلا حصہ —

زندہ قبرستان

مصنف: اشتیاق احمد

- محمود، فاروق اور فرزانہ کو ایک فون ملا۔
- مسلم ہال میں ٹائم بم رکھ دیا گیا تھا اور وہاں تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔
- وہاں انسپکٹر جمشید بھی موجود تھے۔
- مسلم ہال میں بم کہاں تھا؟ یہ سوال ان کے لیے حد درجے خوف ناک تھا۔
- بم پھٹنے میں بہت تھوڑا وقت تھا۔
- انسپکٹر جمشید نے کانفرنس روکنے سے انکار کر دیا۔
- ۲۰- اکتوبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

— ٹکی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۴۹

— دُوسرا حصّہ —

قبرستان کی موت

مصنّف : اشتیاق احمد

- ○ محمود ، فارُوق اور فرزانہ ایک تہ خانے میں بے ہوش پڑے پائے گئے۔
- ○ ان کی بے ہوشی کا راز کیا تھا ؟
- ○ انھوں نے سازش کا کھوج کیسے لگایا ؟
- ○ سازش کیا تھی ؟
- ○ مجرم کون تھا ؟
- ○ اور جب انسپکٹر جمشید کی گرفتاری کا حُکم دے دیا گیا —
- ○ انسپکٹر جمشید کو آپ عجیب رُوپ میں دیکھیں گے —
- ○ زبردست جوڑ توڑ والا ناول —
- ○ ۲۰- اکتوبر کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

— ٹکی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۰

وار پر وار

مصنّف : اشتیاق احمد

- ○ ایک خوف ناک مُجرم سے ملیے —
- ○ وُہ شہر میں کیا کر رہا تھا —
- ○ ایک آدمی سڑک پر کچلا پڑا تھا —
- ○ مجرم ہر حال میں اس زخمی کو ختم کرنا چاہتا تھا —
- ○ لٰہذا وار پر وار شروع ہو گئے —
- ○ لیکن ان واروں کا مقصد کیا تھا ؟
- ○ انسپکٹر جمشید پارٹی اس زخمی کو بچانے پر تُل گئی —
- ○ سنسنی خیز لمحات آپ کو چکرا کر رکھ دیں گے —
- ○ ۲۰- اکتوبر کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

— لکی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۱

راڈیا کا قتل

مصنف: اشتیاق احمد

- اس کے ہاتھ پر ایک گھڑی بندھی تھی —
- دیکھتے ہی دیکھتے گھڑی پگھلنے لگی —
- ایک ایسی وادی کی کہانی — جہاں کا قانون ان کا دشمن بن گیا —
- انھیں ہتھکڑیاں لگا کر عدالت میں پیش کیا گیا —
- انسپکٹر جمشید کو اپنی وکالت خود کرنا پڑی —
- مجسٹریٹ نے انھیں دو سال کی سزا سنائی —
- اس ساری کارروائی کے پیچھے ایک بھیانک راز کام کر رہا تھا — وہ راز کیا تھا؟
- ۲۰۔ اکتوبر کو پڑھیے — قیمت: دس روپے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

نئی نسل — نیا ادب

ناول نمبر ۵۵۲

اژدھے کا بیگ

مصنف: اشتیاق احمد

- سڑک پر کوئی چیز پڑی تھی —
- وہ چیز کیا تھی —
- ایک شخص کی کہانی جس کے گھر میں چوری ہو گئی تھی —
- چور اس کے گھر کی ہر چیز لے گئے تھے —
- کردار اس کی مدد پر تُل جاتے ہیں —
- انسپکٹر خالد سے ملیے —
- آپ انسپکٹر خالد سے مل کر ضرور خوش ہوں گے —
- اور پکار اٹھیں گے — انسپکٹر خالد پر میں مزید ناول لکھوں —
- ۲۰۔ اکتوبر کو پڑھیے — قیمت ۵۰/- روپے —

گزشتہ ماہ کے ناول

۵۳۸ —	آگ ہی آگ	انسپکٹر جمشید سیریز	۱۰ روپے
۵۳۹ —	چور دروازہ	〃	۱۰ 〃
۵۴۰ —	اُڑتی لاش	〃	۱۰ 〃
۵۴۱ —	سب سے بڑا ڈاکا	〃	۱۰ 〃
۵۴۲ —	آئینِ بے وفائی	نئی نسل نیا ادب	۷۵ 〃
۲۴ —	توپ کی چوری	انسپکٹر جمشید سیریز	۱۰ 〃
۲۵ —	بیس سال بعد	〃	۱۰ 〃

اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
اس ماہ کے ناول
۵۴۳ مجرمانہ قدم انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۴ کہانی کے مجرم انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۵ خوف کی بستی انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۶ ڈرامے کی آگ انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۷ چوری کی لڑکی نئی نسل نیا ادب ۷/۵۰
۲۶ خفیہ تحریر انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۲۷ نقاب کے پیچھے انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۲۸ ہوا کے قیدی انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۳۰ آخری پیکٹ انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
آئندہ ماہ کے ناول
۵۴۸ زندہ قبرستان انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۹ قبرستان کی موت انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۰ وار پر وار انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۱ راڈیا کا قتل انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۲ اژدھے کا بیگ نئی نسل نیا ادب ۷/۵۰
۳۲ ملاشا کا زلزلہ دوسرا خاص نمبر ۴۰ روپے
3650
لکی نمبر
اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں، لاہور۔ فون: ۳۲۱۵۳۷
برانچ آفس
بازار لوہاراں — جھنگ صدر۔ فون: ۳۲۹۵